داد سخن بھی دیتے تھے، امثالِ سلیمان کے منظوم ترجمہ خرد نامہ کے علاوہ مولانا کے چھوٹے بھائی
حاجی رشید الدین صاحب مرحوم نے ان کا فارسی دیوان بھی عرصہ ہوا حیدر آباد سے شائع کیا
تھا لیکن ان کی علمی و قرآنی تصنیفات کی طرح اس کا بھی بڑا حصہ ابھی غیر مطبوعہ تھا اور اس کی
اشاعت کا دین ان کے تلامذہ پر باقی تھا، مولانا بدر الدین صاحب اصلاحی نے جن کو گو مولانا سے
براہ راست استفادہ کا موقع نہیں ملا، مگر اب وہی ان کی علمی امانتوں کے امین ہیں، مولانا کے
مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فارسی کلام کو اس میں جمع کر کے یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، مطبوعہ
دیوان کی بعض غزلیں اس میں حذف بھی کر دی گئی ہیں، یہ مجموعہ قصائد و غزلیات اور بعض
دیگر اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، زبان اتنی شستہ و رفتہ ہے کہ اہل زبان کے کلام کا دھوکا
ہوتا ہے، مطبوعہ دیوان میں تاریخیں درج تھیں، ان کو معلوم نہیں کیوں نکال دیا گیا، اگر فاضل
مرتب توضیحی نوٹ اور حواشی اور مقدمہ میں مولانا کے مفصل حالات و سوانح اور خصوصیات
کلام بھی تحریر کر دیتے تو اس کی افادیت اور بڑھ جاتی، تاہم اس کی اشاعت سے مولانا کا
فارسی کلام محفوظ ہو گیا، امید ہے کہ اصحاب ذوق اور خصوصاً مولانا کے قدر دان اس
بادۂ شیراز کی لطافتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

مفتاح القرآن حصہ اول | از مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،
تفسیر سورۂ فاتحہ | صفحات ۷۶، قیمت عہ/ پتہ: مکتبہ دار الہدیٰ کریم نگر (آندھرا)

یہ مصنف کی زیر تالیف تفسیر کا پہلا حصہ ہے جو سورۂ فاتحہ کے مطالب و معانی کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے، اسکے بعد
ہر چھوٹی بڑی سورہ کی تفسیر جدا جدا ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع کرینگے، اس تفسیر میں اختصار اور طوالت دونوں
سے بچ کر مفید اور ضروری مباحث کو سادہ اور سلجھے پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے، مصنف کا علم و مطالعہ وسیع ہے، اسلئے بعض
مفید نکات بھی اس میں موجود ہیں، البتہ کہیں کہیں زبان و بیان میں معمولی ناہمواری اور تشریح میں منطقیانہ رنگ
آگیا ہے مگر اس سے افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

"ض"

جلد ۱۰۰۔ ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۷ء۔ عدد ۵

مضامین

شذرات

مسلم یونیورسٹی کی رٹ کے فیصلہ سے مسلمانوں میں عام طور پر بڑی مایوسی ہے، لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، سپریم کورٹ نے اس پر کوئی بحث نہیں کی ہے کہ یونیورسٹی کا مخصوص کردار باقی رکھا جائے، یا ختم کر دیا جائے، اُس نے ۱۹۲۰ء کے ایکٹ کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے، کہ یونیورسٹی مسلمانوں کی نہیں، بلکہ حکومت کی قائم کردہ ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کردار بھی ختم کر دیا جائے، مسلم یونیورسٹی خواہ قانونی طور سے مسلمانوں کی نہ مانی جائے لیکن واقعہ کے لحاظ سے انہی کے سرمایہ سے قائم ہوئی ہے، اور اس کے مخصوص کردار کی روایت انگریزوں کے زمانہ سے مسلّم چلی آرہی ہے، اس کو ہماری حکومت بھی مانتی ہے، جس پر ارکانِ حکومت کے بیانات شاہد ہیں، اور اسی حیثیت سے وہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، جس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اس لئے مسلم یونیورسٹی پر مسلمانوں کے جو حقوق اجنبی حکومت کے زمانہ سے مسلّم چلے آرہے ہیں، اپنی قومی حکومت کے ہاتھوں ان کا خاتمہ اُس کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہوگا،

در حقیقت مسلم یونیورسٹی حکومت کی سیکولرزم کا بہت بڑا نشان ہے، مسلمانوں کے دستوری حقوق کے سلسلہ میں سیکولرزم کے ثبوت میں جو چیزیں پیش کی جاتی ہیں، اُن میں سب سے اہم اور اُس کا عملی نمونہ صرف مسلم یونیورسٹی ہے، اُس کے مقابلہ میں نمائشی عہدوں کی کوئی قیمت نہیں، اس سے قطع نظر پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی صرف یہی ایک یونیورسٹی ہے، جو مسلمان طلبہ کیلئے جائے پناہ بھی ہے، ان کو جو تعلیمی سہولتیں یہاں حاصل ہیں، وہ کسی یونیورسٹی میں نہیں، جن طلبہ کو کسی

یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ملتا یا جو ہونہار طلبہ غربت کی وجہ سے گراں تعلیمی مصارف برداشت نہیں کر سکتے، ان کو مسلم یونیورسٹی کی رعایتوں سے حصولِ تعلیم کا موقع مل جاتا ہے، اس کی مخصوص حیثیت ختم ہونے کے بعد یہ سہولتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اور بہت سے ہونہار طلبہ محض ناداری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جائیں گے، جو تنہا مسلمانوں کا نہیں بلکہ پورے ملک کا نقصان ہے،

اس مسئلہ کو جوش و خروش کے بجائے سنجیدگی اور ٹھنڈے دماغ سے حکومت سے مل کر سلجھانے کی ضرورت ہے، اس فیصلہ نے تھوڑی سی دشواری ضرور پیدا کر دی ہے، اُس کی آڑ لیکر یونیورسٹی کی دشمن طاقتیں اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گی، لیکن امید ہے کہ صاف ذہن لوگ اس معاملہ میں مسلمانوں کی حمایت کریں گے، اس کا انحصار بڑی حد تک حکومت کے رویہ پر ہے، مسلمانوں کے جذبات سے قطع نظر خود حکومت کے مصالح کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا کردار باقی رکھا جائے، جس کا وہ بار بار اعلان کر چکی ہے، اس لئے ہم کو توقع ہے کہ آئندہ جو یونیورسٹی ایکٹ بننے والا ہے اس میں وہ اس کا لحاظ رکھے گی، یہ ایکٹ حکومت کی سیکولرزم کا امتحان ہوگا، اس کا بل پیش ہونے سے پہلے مسلمانوں کو اس مسئلہ پر حکومت سے گفتگو کر لینا ضروری ہے،

دوسرا مسئلہ وائس چانسلری کا ہے، نواب علی یاور جنگ بہادر تو اپنا کام پورا کر کے امریکہ کی سفارت پر جا رہے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ ان کی جگہ کون لیتا ہے، انھوں نے اپنے "عہدِ میمنت عہد" میں یونیورسٹی کو جس نوبت تک پہنچا دیا، اور جن مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے، اس میں مشکل ہی سے کوئی اہل و مستحق آدمی کانٹوں کا یہ تاج اپنے سر پر رکھنے کے لئے تیار ہوگا، اور ایسے اشخاص بھی آسانی سے نہیں مل سکتے، جن کو حکومت اور مسلمان قوم دونوں کا اعتماد حاصل ہو، اس وقت چند نام نگاہ میں آتے ہیں، خواجہ غلام السیدین، کرنل بشیر حسین زیدی، ہمایوں کبیر، بشیر احمد سعید، آخر الذکر دو حکومت کی نگاہ میں معتوب ہیں، اس لئے ان کے ہونے کا کوئی امکان نہیں، خواجہ غلام السیدین بھی جہاں تک معلوم ہوا ہے، قبول نہ کریں گے، اور

وہ حکومت کے پورے گوں کے بھی نہیں ہیں، صرف کرنل بشیر حسن صاحب زیدی کارہ جاتے ہیں، وہی اس ٹوٹی کشتی کو منجدھار سے نکال سکتے ہیں، اور اگر حکومت کسی علی یار جنگ ہی کو بنانا چاہتی ہو تو سب سے بہتر یہ ہو کہ کسی ایسے بزرگ کو بنائے جو اسلامی کلچر سے واقف اور مسلمانوں سے زیادہ قریب ہو وہ علی یار جنگ جیسے مسلمان کے مقابلہ میں یونیورسٹی کیلئے زیادہ مفید ہوگا،

اسلامک اسٹوڈینٹس کانفرنس علی گڑھ کا جلسہ ۹ اکتوبر کو جامعہ ملیہ دہلی میں ہو گیا، اس میں شرکت کا مصمم ارادہ تھا، مگر اس سے کچھ ہی پہلے دارالمصنفین کے بزرگ مولانا مسعود علی صاحب ندوی کا انتقال ہو گیا، اور ہمارے رفیق کار سید صباح الدین سخت بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہو گئے، پھر علاج کیلئے پٹنہ چلے گئے، (اس وقت تک وہ پٹنہ ہی میں ہیں مگر الحمد للہ رو بصحت ہیں،) ان حالات میں دارالمصنفین سے نکلنا مشکل تھا، اس لئے شرکت نہ ہو سکی، جس کا افسوس ہے، اس کی تفصیلی روداد تو سامنے نہیں آئی ہے، مگر اخبارات کی خبروں سے معلوم ہوا کہ اجلاس کامیاب رہا، اسلامک اسٹوڈنٹس کانفرنس ہندوستان میں ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کا نعم البدل ہے، انشاء اللہ اہل علم کا یہ اجتماع ایک مرتبہ دارالمصنفین میں بھی ہوگا،

عربی مدارس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کو بہت سی چیزوں میں اولیت کا فخر حاصل ہے، اب اس نے توسیعی خطبات کا سلسلہ شروع کیا ہے، جس میں ہندوستان کے نامور فضلا مختلف اسلامی موضوعوں پر خطبات دیں گے اس بدعت حسنہ کا سہرا مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی شیخ التفسیر دارالعلوم کے سر ہے اس سلسلہ کا پہلا خطبہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا تھا، جو ۳۰ ستمبر کو مولانا عبد الماجد صاحب مدظلہ کی صدارت میں پڑھا گیا، اس میں رشید صاحب نے ندوہ کے طلبہ سے خطاب کیا ہے، یہ خطبہ "عزیزان ندوہ کے نام" سے چھپ گیا ہے، رشید صاحب تنہا ادیب و انشا پرداز ہی نہیں بلکہ مفکر و معلم بھی ہیں، مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر پوری نظر رکھتے ہیں، اور قرآن مجید کی اصطلاح میں "رجل رشید" ہیں، یہ خطبہ اُن کے ملی جذبات، اور علمی و تعلیمی و دینی افکار و خیالات کا آئینہ ہے، عہ میں جمعیۃ الاصلاح دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملے گا،

.......✻.......

مقالات

موتمر مستشرقین عالم امریکہ میں

از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پاریس

تمہید

مجھے خیال پڑتا ہے کہ معارف نے سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں "اٹھارہویں موتمر مستشرقین عالم، (ترجمہ از فرنچ شکیب ارسلان)" کے عنوان سے اس ادارے کی سرگرمیوں سے اپنے ناظرین کو روشناس کرایا تھا، یہ میری طالب علمی اور نوجوانی کا زمانہ تھا، اس کے بعد سے بارہا اس موتمر کے اجلاسوں کی کارروائی پیش کیجاتی رہی، گزشتہ اجلاس تو دہلی میں ہونے کی وجہ سے اہل ہند اب اس سے خوب واقف ہو چکے ہیں،

اب کی دفعہ ستائیسواں اجلاس امریکہ کی دعوت پر مشیگن یونیورسٹی میں ہوا ہے جو آن آربور نامی شہر میں ممالک متحدہ اور کنیڈا کی سرحد پر واقع ہے، اس بلد الجامعہ کا مطار بس ایک گھنٹے کے سفر پر شہر ڈیٹرائیٹ میں واقع ہے جو موٹر سازی کا مرکز اور ابھی چند روز قبل گورے کالے ہنگامے میں اس بری طرح تباہ ہوا ہے کہ اربوں روپیے کی جائداد آتشزدگی کے جنون کے نذر ہوئی ہے،

مجھے اس سب سے "مہذب" ملک کا انتظام پسند نہ آیا، اگر شخصی مسئلے کو نظر انداز بھی کر دوں کہ جامعہ مشیگن کا دعوتی ہونے کے باوجود مجھے ویزا ملنے میں چھ ہفتے کا انتظار کرنا پڑا (اور سفر سے

اڑتالیس ۴۸ گھنٹے پہلے تک خبر نہ تھی کہ اجازت ملے گی بھی یا نہیں) یہ امر قابل ذکر ہے کہ موتمر کا افتتاحی اجلاس ۱۳؍ اگست کو ہوگیا، اور ہمیں دعوت دہندہ جامعہ کی طرف سے بھیجے کئے ہوئے خصوصی طیارے میں اس اجلاس کے ختم ہونے کے بعد آدھی رات کو پہنچایا گیا، (حالانکہ ابتدائی اطلاع یہ تھی کہ ہم اجلاس سے قبل کی رات کو پہونچیں گے پھر بلا اطلاع ہوائی کمپنی نے تاریخ بدل دی) اسی طرح پاریس سے دو خصوصی طیارے مقرر کئے گئے، پھر بکثرت لوگوں کو یہ اطلاع دی گئی کہ جگہ نہ ہونے کے باعث اُن کو طیارے میں نشست نہیں مل سکتی، اور بالآخر روانہ صرف ایک طیارہ ہوا! یہ ہے تنتے نمونہ از خروارے، خیر،

ہمارے پان امریکن کمپنی کے طیارے میں ایک سو ساٹھ مسافر تھے، یہ طیارہ پاریس سے شام کے ساڑھے پانچ بجے اڑا، (پاریس میں ان دنوں آٹھ بجے غروب آفتاب ہوتا ہے) چونکہ مغرب کی سمت میں جا رہے تھے، اور طیارے کی رفتار چھ سو ۶۰۰ میل فی گھنٹہ اور بلندی ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی اونچی تینتیس ہزار فٹ پر تھی، نتیجہ یہ ہے کہ آفتاب نے ڈوبنے کا گویا نام ہی نہ لیا، جب ہماری گھڑیوں میں آدھی رات کے بعد دو بجے تھے کہ طیارے میں سے سورج ڈوبتا نظر آیا، اگر کوئی شخص روزہ ہوتا تو سحری کے بعد افطار تک چوبیس ۲۴ گھنٹے ہو جاتے، (اگر افطار مقامی غروب کے حساب سے کیا جائے) مزید آدھ گھنٹہ بعد مطار پہ اترے تو معلوم ہوا کہ مقامی وقت مغرب کے ساڑھے نو بجے ہیں، واپسی میں مشرق کی طرف پرواز کرنی ہے، اس لئے رات کے دس بجے اڑنے پر دو تین گھنٹے بعد آفتاب طلوع ہو جاتا ہے، اور کل دس گھنٹوں کی پرواز کے بعد امریکا کے حساب سے تو رات ہی کو، لیکن پاریس میں

دوپہر سے کچھ پہلے پہونچتے ہیں، نماز اور روزے کے اوقات کا کوئی حل ہمارے فقہاء کو کو نکالنا ہوگا،

جاتے وقت مختلف جزیروں وغیرہ کے علاوہ ایک مرتبہ ہماری توجہ اس پر منعطف کرائی گئی کہ ہمارے نیچے سمندر میں چار آئسبرگ (برف کے پہاڑ) تیر رہے ہیں کوئی چھ میل کی بلندی پر سے یہ ایک متوسط قد و قامت کے جہاز کی طرح نظر آ رہے تھے اور سفید چمک رہے تھے،

سفر اگرچہ پاریس سے شروع ہوا، لیکن سارے مسافر فرانس کے باشندے نہ تھے، ان میں مختلف ملکوں کے فرنگیوں کے علاوہ متعدد ہندوستانی (جن میں ایک گیروے لباس میں بدھ مت کے لاما بھی تھے،) مصری، لبنانی، مراکشی وغیرہ بھی سوار تھے،

جامعہ میچگین

جامعہ میچگین جو شہر آن آربور میں واقع ہے، ممالک متحدہ امریکہ کی قدیم اور بڑی جامعات میں سے ایک ہے، اور موتمر مستشرقین عالم کے اجلاس کے لئے اس کا انتخاب بتاتا ہے کہ ملک میں اس کا کیا پایہ ہے، یہاں کچھ نہیں تو سو سال سے علوم شرقیہ سے دلچسپی لی جا رہی ہے، وہاں کے ذیل کے شعبے اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں:

(۱) مشرق قریبہ کی زبانیں اور ادبیات، جو عملاً عربی اسلام کے متعلق ہے اور مراکش سے بغداد تک کے رقبہ کی قدامت و معاصرت پر حاوی ہے، (۲) جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے مسائل کا مرکز، ایران، افغانستان، براعظم ہند، ملایا اور انڈونیشیا کے ذریعے سے عجمی اسلام سے اختصاص رکھتا ہے، (۳) روسی اور مشرقی یوروپ کے مسائل کا مرکز ضمناً ہی سہی ترکی اسلام سے متعلق ہے، ان کے علاوہ قانون، موسیقی، جغرافیہ و خرائط (نقشہ ہائے ممالک) حتی کہ نباتیات، اور آبی وسائل (بجلی، پٹرول) وغیرہ کے شعبوں میں بھی مسلمانوں

کے وطن سے بڑی بحث ہوتی ہے، مثال کے طور پر ڈاکٹر اسٹیوارٹ نے چالیس۴۰ سال تک راولپنڈی کے گورڈن کالج میں نباتیات کا پروفیسر رہنے کے بعد اپنی آخری زندگی مشیگن ہی میں شعبۂ نباتات میں گزاری، اور وہاں کے ذخیرۂ نباتات کو ہمالیہ اور ہمالیہ کے کے بے شمار پودوں کے اضافے سے ترقی دی،

یہاں کا شعبۂ تعلیمات و تقابلی طریقۂ تدریس بھی قابلِ ذکر ہے، اس کی بکثرت سرگرمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بمبئی اور بڑودہ کے اساتذۂ تعلیمات مشیگن بلائے گئے، اور ان کی جگہ مشیگن کے اساتذہ بمبئی اور بڑودہ میں کام کرنے لگے، اس طرح کا کام لبنان اور ازبکستان جیسے اسلامی علاقوں میں بھی ہوا، ازبکستان کے متعلق شائع شدہ رپورٹوں سے واضح ہے کہ روسیوں نے وہاں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، اور اہلِ ملک وہاں بیسویں صدی کی صنعت اور آلات وغیرہ اور نیز زراعت میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ اسے انقلاب انگیز کہا جاسکتا ہے، (اس شعبے کی سرگرمیوں کا منشا زیادہ تر بیرونی ممالک کے متعلق معلومات جمع کرنا ہے، جسے کوئی چاہے تو جاسوسی کہہ سکتا ہے)

یہاں کے عجائب خانوں اور کتب خانوں میں بھی اسلامیات کا کافی ذخیرہ ہے، اگرچہ مخطوطات میں کوئی خاص نوادر نہیں ملتے ہیں، یہاں کی انجمن شرقیات (ایسوسی ایشن فار ایشین اسٹڈیز) بھی قابل ذکر ہے جو خود بھی کتب و رسائل چھاپتی ہے، اور تنگدست علماء کو تالیفیں چھاپنے میں مالی مدد بھی کرتی ہے، اور آخر میں یہاں کے مسلمان طلبہ کی ایک بڑی انجمن ہے، اس کے پاس ایک بڑی عمارت ہے، جس میں ایک مسجد بھی ہے،

شرکائے موتمر تقریباً پچاس ملکوں سے کوئی ڈھائی ہزار عورت مرد اہلِ علم نے شرکت کی اطلاع دی، لیکن یہ کہنا مشکل ہے، کتنے لوگ حقیقت میں آئے، مثلاً فہرست میں لبنان سے

صلاح الدین المنجد کا ذکر تھا، مگر وہ نظر نہ آئے، دارالمصنفین کے فاضل و عزیز محترم مولوی صباح الدین[1] کا اور میرا مقالہ دونوں ایک ہی وقت میں تھے، میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ تشریف لائے یا نہیں، جم غفیر میں وہ نظر تو نہ آئے، ممالک متحدہ امریکہ اور کینیڈا میں متوطن یا ملازم مسلمانوں میں اب کافی اہلِ علم نظر آتے ہیں، مثلاً کینیڈا سے آنے والوں میں عزیز احمد، محمد انوار الحق اور ایک احمقانہ نام والے عبدل ایس سیرت" (شاید عبدالسلام کی خرابی ہے) فہرست میں نظر آئے، انوار الحق صاحب …اں کے مشہور ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے فرزند ہیں، جب ولایت میں تعلیم پا رہے تھے تو بڑی داڑھی کیساتھ باپ کے ہوبہو تھے، کینیڈا میں اُن کی بیوی پروفیسر ہیں، اور یہ خود تعلیم پا رہے ہیں، [illegible]ان سے آنیوالوں کی فہرست میں میاں محمد سعید کا ذکر ملا، فرانس سے کچھ نہیں تو نصف درجن مسلمان آئے، لیکن ان سارے فرنگستانی مسلمانوں میں نومسلم میرے علم میں نہ آئے، صرف ایک جرمن کے متعلق نجی اطلاع ہے کہ وہ کبھی کبھی جمعہ اور عیدین میں نماز میں شرکت کے لئے جاتے ہیں، اگرچہ اپنے اسلام کا انھوں نے کبھی زبان سے اقرار نہیں کیا ہے، البتہ ایک فرانسیسی خاتون نے اقرار کیا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہیں،

پاکستان سے تو خیر مسلمان ہی آسکتے ہیں، لیکن ہندستان سے دلی اور علی گڑھ وغیرہ سے کئی مسلمان آئے تھے، اور ملاقات بھی ہوئی، بمبئی کے ڈاکٹر حسین ہمدانی مرحوم کے فرزند عباس ہمدانی بھی اپنی بیوی کے ساتھ آئے تھے، موروثی شغف فاطمیات کے متعلق جاری ہے، حیرت اس پر ہوئی کہ ملایا سے آنے والوں کی کافی اچھی فہرست میں سب کے سب چینی تھے، ایک بھی مسلمان کا نام نظر نہ آیا، اور اس پر حیرت تو نہیں دل کی سوزش ضرور ہوئی کہ حالیہ ہنگاموں سے قبل کے اسرائیل میں لاکھوں ہی مسلمان تھے، لیکن ان میں سے کوئی عالم یا …ن میں نظر نہیں آتا کہ موتمر مستشرقین کے لئے آئے، ان بیچاروں کا روزگار تو خاک دبی

[1] معارف: اپنا مقالہ بھیجدیا تھا خود نہیں گئے تھے،

اور حمالی رہ گیا ہے، اللہ ان پر رحم فرمائے،

روس کی سیاست میں بھی کافی انقلاب ہوگیا ہے اور وہاں کے بڑے سرکاری وفد میں
بہ کثرت اسلامی نام ملے، اور ان کے القاب میں "روسی اکاڈیمی علوم کا رکن" بتاتا ہے کہ بڑے پایہ
کے لوگ ہیں، البتہ اکثر کے مقالوں میں عصر جدید کا عنصر زیادہ تھا، گویا علم کی خاطر علم سے کہیں
زیادہ سیاست اور ملکی پالیسی کی خدمت پیش نظر معلوم ہوئی، مگر دم آخر روس نے حالیہ فلسطینی
جنگ کے باعث موتمر کا مقاطعہ کیا، اور روس سے کوئی نہیں آیا،

یہ بات اتنی بُری نہیں جتنی کانفرنس کے سربر آوردہ اور کرتا دھرتا "برادران یوسف"
کا یہ رجحان کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ظالم ہونا عربوں اور ترکوں کے جھگڑے کو تازہ اور تیز کرنا
اور یہ سب بلادِ مقدسہ کی تازہ تخجیس کی اوامت کی کوشش ہیں،

مہمان نوازی کا انتظام امریکی مہمان نوازی واقعی یورپ کے مقابل بہت بہتر رہی، جامعہ کے
طلبہ کے گھر میں جتنے لوگ سما سکتے تھے، (اور کئی سو لوگ وہاں رہ سکتے ہیں،) اُن کو رہائش
اور خوراک مفت رہی، اور مشیگن سے واشنگٹن اور نیویارک نہ صرف مفت لیجایا اور وہاں
پھرایا گیا، بلکہ وہاں کا ہفتہ بھر کا قیام بہت اچھے ہوٹلوں میں مفت ہی رہا، (بجز خوراک
کے) حسب معمول ضیافتیں، ریاست مشیگن کے گورنر کی آمد، اور خیر مقدمی تقریر، اقوام متحدہ کی طرف
سے بھی خیر مقدم عمل میں آئے،

لیکن شروع میں کہا گیا تھا کہ موتمر کے انعقاد کے وقت سارے مقالوں کے خلاصے
ایک ایک صفحے پر کتابی صورت میں چھاپ کر مفت بانٹے جائیں گے تاکہ ارکان اُن کا مطالعہ
مطالعہ کرکے جس مقالے کو چاہیں اپنی شرکت کے لئے منتخب کرسکیں، اور یہ کہ کامل مقالے بعد
میں چھاپے جائیں گے، اور موتمر کے ارکان کو حسب عادت مفت دیا کئے جائیں گے، پھر

جب اجلاس شروع ہوا تو اطلاع دی گئی کہ بیچارہ امریکا اتنا غریب ہے کہ مقالوں کے خلاصے
چھاپ نہ سکا، اور سارے مقالوں کو بھی چھاپنے سے قاصر ہے، صرف ایک ایک صفحے کے خلاصے
زیادہ اجلاس تک چھاپ کر شائع کئے جائیں گے، اور اگر کوئی صاحب اپنا مقالہ یا اس کا
ملخص کہیں اور چھاپ لیں، تو پھر "بخوشی" اس کا خلاصہ بھی اس روداد کی جلد سے حذف
کرکے وہاں صرف حوالہ دیدیا جائے گا، کہ فلاں جگہ چھپا ہے،

وجہ؟ بتایا گیا کہ مصارف طباعت زیادہ ہیں، اور یہ امریکہ کی استطاعت سے باہر ہیں،

قبل اس کے کہ موتمر کے مقالوں کا ذکر کروں، امریکہ میں اسلام کے متعلق کچھ مشاہدات
عرض کروں گا،

امریکہ میں اسلام ممالک متحدہ امریکہ میں کہتے ہیں کہ دو ہزار جامعات ہیں، سرکاری
بھی، نجی لوگوں کی بھی، مجھے شروع میں یقین نہ آیا، لیکن جب یہ دیکھا ایک شہر واشنگٹن میں
جس کی آبادی آٹھ لاکھ سے بھی کم ہے، پانچ یونیورسٹیاں ہیں، تو دو ہزار کی تعداد کو قرین قیاس
ماننا پڑا، امریکہ میں یہ قانون ہے کہ طلبہ کے ہر گروہ کو دینی اور ثقافتی سہولتیں بہم پہنچائی
جائیں، چنانچہ جس جامعہ میں مسلمان طلبہ ہوں وہاں انجمن طلبہ کے مکان میں ایک کمرہ
مسلمانوں کو بھی ملتا ہے جسے وہ عام طور پر نماز گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، آن آربور کی
جامعہ مشیگن میں سات آٹھ مسلمان طلبہ معلوم ہوئے، یہ اپنی "مسجد" میں جمعہ کی نماز بھی پڑھتے
ہیں، اور باری باری سے ہر طالب علم خطیب و امام بنتا ہے، یہاں اور کینیڈا میں بہ کثرت
جامعات میں مسلمان اساتذہ بھی نظر آتے ہیں،

مسلمان طلبہ کی تعداد کم ہے، اور سارے ملک میں منتشر ہیں، اس کا درماں یہ کیا گیا ہے
کہ "وفاق مسلم طلبۂ ممالک متحدہ و کینیڈا" کے نام سے ایک مرکزی انجمن بنائی گئی ہے، اور ہر سال

اس کا کسی نہ کسی جامعہ میں اجلاس ہوتا ہے، امریکہ کی آب وہوا میں عملیت وحرکت ہے، اگر کوئی
یہ انجمن بھی کافی کارگزار ہے، مالی وسائل بھی ہیں، کتابیں رسالے بھی چھپتے ہیں، ان انجمنوں کے
سربراہ یا تو عرب طلبہ ہوتے ہیں، (زیادہ تر شامی) یا پھر ہمالیہ تلے کے براعظم کے دیگر ممالک کے مسلمان
طلبہ، خاص کر سیاہ فام طلبہ ابھی کم نظر آتے ہیں،

امریکہ میں گوری ماؤں کو بچے کم ہوتے ہیں، کالی رعیت کی تعداد قدرتی طور پر بہت تیزی
سے بڑھ رہی ہے، چھ سات بچے، اوسط تعداد ہیں، گوروں کالوں کی کشمکش کی تہ میں ایک
راز یہ بھی ہے، اسی لئے حکومت سارے وسائل سے کوشش کر رہی ہے کہ باہر سے آنے والے
صرف گورے ہوں، اور بہ کثرت ہوں، جب انسان صریح ناانصافی کرتا ہے، تو قدرت الٰہی
کوئی اور تدبیر کرلیتی ہے،

ہر فرنگی ملک کی طرح امریکہ میں بھی اسلام اب کافی تیزی سے پھیل رہا ہے، صوبہ مچیگن
ہی میں پانچ مسجدیں ہیں، خاص کر شہر ڈیٹرائٹ کی مسجد میں کچھ نہیں تو ڈیڑھ ہزار کی جماعت
ہوسکتی ہے،

گوروں کالوں کی کشمکش دو دھاری تلوار ہے، اس سے کالوں کو عیسائیت سے نفرت، اور
اسلام کی طرف کشش بڑھ رہی ہے، امریکہ میں کچھ نہیں تو پندرہ فی صد آبادی سیاہ فام ہے،
(بعض صوبوں میں اُن کی اکثریت بھی ہے، مچیگن میں وہ تہائی تک پہونچ گئے ہیں،) ان سیاہ فاموں
کو ایک زمانے میں جبراً عیسائی بنا لیا گیا تھا، اب ان میں سے دو تہائی دوبارہ مسلمان
ہوگئے ہیں، لیکن نسلی جھگڑوں کے باعث بارہا کالے مسلمانوں کی انجمنوں بلکہ
مسجدوں میں بھی گورے مسلمانوں کا داخلہ بند ہے، گورے مسلمانوں میں کہیں کہیں
جدائی نظر آتی ہے، اور اس کا حل اس وقت تک مشکل ہے، جب تک کہ نسلی کشمکش کا

سیاسی حل نہ نکل آئے، اس حل میں اسلام بےشک ہاتھ بٹا رہا ہے، لیکن نسلی کشمکش صحیح اسلام کے پھیلنے
میں ایک رکاوٹ بھی بن گئی ہے،

امریکہ بڑا کٹر دین پرست عیسائی ملک ہے، عیسائیت کی تبلیغ پر جتنی دولت وہ صرف کرتا ہے،
وہ سبق آموز ہے، اپنے قیام کے زمانہ میں واشنگٹن اور نیویارک میں میں نے دیکھا کہ ہوٹلوں کے ہر ہر
کمرے میں میز کے خانے میں جہاں کچھ اسٹیشنری کاغذ لفافے اور اشتہار ہوتے ہیں، وہیں بائبل کا ایک
نسخہ بھی ہوتا ہے کہ مسافر اس کا مطالعہ کرے، عموماً امریکی بائبلوں کے شروع میں ایک انڈکس
(اشاریہ) بھی ہوتا ہے کہ عیسائیت کی اچھی تعلیمات کن کن صفحوں میں ہیں، موتمر مستشرقین کے ارکان
کو ایک رات ایک فلم بتایا گیا "یمن، حضرموت اور مسقط وعمان کے آثار قدیمہ" ان کھنڈروں
کو کھودنے والوں کے ساتھ بتایا گیا کہ ہمیشہ مشنری ڈاکٹر بھی ہوتے ہیں، اور وہ مقامی آبادی
کا مفت علاج بھی کرتے ہیں، اور ان کو باور کراتے ہیں کہ یہ طبابتی علم وحکمت عیسائی مذہب
کی وجہ سے ہے، (اور غالباً انفرادی تبلیغ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ بیماری مسلمان ہونے کی
وجہ سے ہے۔)

نیویارک میں مسلمانوں کے متعدد بلکہ بہ کثرت ادارے ہیں، "اسلامک سنٹر" جزیرہ مانہاٹن
میں دریا کنارے پر فضا مقام پر ہے اور اس کا امام ازہر (مصر) کی طرف سے آتا ہے، ڈاکٹر
محمد عبدالرؤف ازہر کے بھی تعلیم یافتہ ہیں، اور کیمبرج ولندن کے بھی سند یافتہ، وہ ہر دلعزیز ہیں،
ان سے معلوم ہوا کہ آج کل عید کی نماز کسی ہوٹل کے بڑے ہال میں پڑھی جاتی ہے، لیکن اب
ایک مسجد کے لئے زمین خریدنے کا انتظام ہوگیا ہے، "اسلامک مشن" بروکلین کے محلہ میں ہے،
جسے ایک مغربی مہاجر (بہ ظاہر طرابلس الغرب والے) اپنے مصارف پر چلا رہے ہیں، کئی منزلہ
مکان ہے، جس میں ایک بڑی مسجد بھی ہے، ایک ماہوار رسالہ بھی نکالتے ہیں، کہہ رہے تھے کہ

پچپن ۵۵ سال سے مقیم ہوں، جب یہاں آیا تو نسلی کشمکش اتنی شدید تھی کہ ایک دن برسرِ راہ میری ہر چیز لوٹ لی گئی، وہ ننگ دھڑنگ ایک میل پیدل چل کر گھر واپس آیا، اور پولیس نے دخل دہی نہیں ضروری خیال کی، کوئی پچاسی سالہ یہ شیخ اب بھی تنومند اور سرگرمی سے اپنے کام میں مصروف ہیں،

فرانس میں اسلام زیادہ تر تصوف کی راہ سے پھیل رہا ہے تو امریکہ میں میرے ملاقاتیوں کے بیان کے مطابق عقل کی راہ سے، لیکن ہر جگہ ناصح بے عمل سے زیادہ مضر کوئی مبلغ نہیں پایا گیا،

امریکہ میں عجائب خانوں اور کتب خانوں میں اسلامی چیزوں کی کمی نہیں، اور وہاں ہر چیز بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، واشنگٹن میں "لائبریری آف دی کانگریس" کہنے کو تو پارلیمنٹ کا جزو اور ارکان پارلیمنٹ کے استفادہ کے لئے ہے، لیکن وہ ہر شخص کے لئے کھلی ہوئی ہے، وہاں اب کتابوں رسالوں وغیرہ کی تعداد چون ملین سے کچھ زائد (ساڑھے پانچ کروڑ) ہو گئی ہے! دو وسیع عمارتیں ناکافی ثابت ہو گئی ہیں، اب ایک تیسری بڑی عمارت بن رہی ہے، اس میں اردو کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، میں نے تراجم قرآن مجید کے سلسلے میں یہاں کچھ تلاش کی تو انڈونیشیا، بنگال وغیرہ کے متعدد تازہ ترین تراجم کا پتہ چلا، جن سے میں واقف نہ تھا، واشنگٹن کی مسجد جسے مسلمان ممالک کے سفیر چلاتے ہیں، بہت خوبصورت ہے، ساتھ ہی ایک مختصر دار المطالعہ بھی ہے، پاریس کی طرح یہاں بھی مسلمانوں سے زیادہ سیاح تفریح کے لئے آتے ہیں،

امریکہ میں یہودیوں سے نفرت بڑی شدید ہے، (لیکن وہ تجارت، صنعت، صحافت وغیرہ پر چھائے ہوئے ہیں) اور امریکہ اُن کی تائید بظاہر اس لئے کر رہا ہے کہ وہ امریکہ چھوڑ کر فلسطین یا کہیں اور جا بسیں اور ان سے پیچھا چھوٹے،

ایک عجیب وغریب معاملہ یہ مشاہدے میں آیا کہ امریکہ والوں کو یا تو سیاست و دفتریت سے

دلچسپی ہے یا تجارت سے، کم ہی لوگ اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں، اساتذہ اور بڑے انجینیر بکثرت باہر کے مستعار یا تازہ وارد لوگ ہیں، بیرونی زبانوں ہی کیلئے نہیں عام علوم کے لئے بھی مختلف ممالک کے مسلمان اساتذہ جابجا جامعات میں ملتے ہیں، (ہندو بھی ہیں) یہ چیز ممالک متحدہ امریکہ میں بھی ہے، کنیڈا میں بھی، جنوبی امریکہ میں بھی آزاد پیشیوں میں ڈاکٹروں کی بھی بڑی مانگ ہے، اور ان میں بھی بہت سے مسلمان نظر آتے ہیں،

مؤتمر مستشرقین کی علمی کارکردگی

ستائیسویں بین الممالک مؤتمر مستشرقین اگست ۱۹۶۷ء کی (۱۳) سے (۱۹) تک شہر آن اربور میں منعقد ہوئی، چونکہ کوئی ڈھائی ہزار اہلِ علم کا مجمع ہو گیا تھا، اس لئے تقسیمِ کار کی ضرورت تھی، یہ تقسیم کچھ زیادہ علمی نہ تھی، بلکہ بے تکی سی معلوم ہوتی تھی، چنانچہ:-

شعبہ (۱) مشرقِ قریبہ (۲) مشرقِ قریبہ اور عالمِ اسلامی (۳) جنوبی ایشیا قدیم زمانے میں (۴) جنوبی ایشیا جدید زمانے میں (۵) جنوب مشرقی ایشیا (۶) چین قدیم (۷) چین جدید (۸) جاپان (۹) کوریا (۱۰) وسطی ایشیا اور آلتائی (ترکی) امور (۱۱) اجتماعی مباحث، (آبادی، فنونِ لطیفہ، دفتریت، مغربی تہذیب کا اثر مشرقی قوموں پر، موسیقی، قدیم امریکہ کا تعلق مشرق سے، کتب خانے، زراعت کی اصلاح مشرق میں، ادبیات میں انقلابی رجحانات، مشرقی علوم کے مطالعے کے ادارے مختلف ممالک میں وغیرہ)

ان میں سے نمبر ۲، اور نمبر ۱۰ کو غالباً سیاسی مصلحت سے جدا کیا گیا تھا، حتی کہ ان کے اجلاس بھی الگ الگ عمارتوں میں رکھے گئے، جن میں باہم میل بھر کا فاصلہ تھا، نمبر ۳ میں ہندوستان اور نمبر ۵ میں انڈونیشیا و ملایا سے بھی اسلام کو گہرا تعلق ہے، مگر انھیں الگ کیا گیا تھا، اسلام کی اہمیت گھٹانے کی اس کوشش میں اس کی اہمیت بڑھ ہی گئی کہ ایک کی جگہ کئی شعبوں میں زیادہ تر

اسلام ہی کا ذکر تھا،

یہی نہیں ہر شعبے کے ذیلی شعبے بھی تھے، اور سب بہ یک وقت جمع ہوتے تھے، مثلاً شعبۂ دوم کو بتیس ذیلی شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم لوگوں کے مقالے کوئی شخص سن سکتا تھا،

اسلامیات پر مقالے مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلم اہلِ علم نے بھی پڑھے، ایک ہزار نہیں تو کئی سو مقالے اسلامی دلچسپی کے تھے، سب کی تفصیل افسوس ہے کہ ممکن نہیں، کچھ مقالے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر تھے، تو کچھ مسلمانوں کی تاریخ و تمدن کے متعلق، اسی طرح مسلمانوں کی بستیوں اور ملکوں کی پرانی تاریخ پر جتی کہ جس چیز کو مثلاً خالص یہودی تصور کیا جاتا ہے، اس سے بھی مسلمانوں کو گہرا تعلق ہے، مثلاً "حضرت سلیمانؑ کے نظم و نسق کی بعض تفصیلیں،"

نمونہ از خروارے چند' مقالوں کے عنوانوں کا ذکر کرتا ہوں، خدا ہی بہتر جانتا ہے یہ کب اور کہاں چھپیں گے،

شعبۂ اوّل: (۱) معز زجگ (ترکی): استانبول کے عجائب خانوں میں مسماری کتبوں کا ذخیرہ، (۲) مائکل روٹن (امریکا): دریاؤں کا اثر عراقی تمدن پر، (۳) ماری لوئیز بول (ڈانمارک) خربۂ صیلون میں ڈانمارک کی آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۴) ماری لوئز شوموں (فرانس): ساسانی دور کے ماتحت بادشاہ و حکمران حیرہ وغیرہ میں (۵) مہری تبریزی: شیطان اور شر ایرانی خرافات میں (۶) نیڈلر (کینیڈا): وادی حلفار کے قریب جبل شیخ سلیمان کی چٹانوں پر چند قدیم کندہ تصویریں (۷) فرکوتر (فرانس) نوبیہ میں فرانسیسیوں کی آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۸) پائرز (انگلستان) عربوں کی تاریخ نویسی قبل

اسلام میں: (۹) رابرٹ اسمتھ (امریکہ) فحل (اردن) میں آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۱۰) نیشان (فرانس) حضرت عزیرا اور قرآنی آیت قالت الیھود عزیرابن اللہ،

شعبۂ دوم: (۱) سید حسین نصر (ایران) شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کی کی ہیں (۲) برمان (امریکہ) ارسطو کی کتاب اخلاق کا اثر قدیم عربی کتبِ فلسفہ پر (۳) اینداریس (جرمنی) یونانی سے عربی میں ترجمہ اور عربی اصطلاحاتِ فلسفہ (۴) تحسین یازیجی (ترکی) عبداللہ انصاری کی ایک گمنام تالیف (۵) محمد باقر (پاکستان) قدیم زمانے میں فارسی کی ترقی، ہمالیہ تلے کے برّ اعظم میں (۶) احمد برکات (سوئٹزرلینڈ) ہندوؤں کا حصہ فارسی نثر نگاری میں: (۷) ٹانفل (بلجیم) عربی معاہدات لسانیاتی نقطۂ نظر سے (۸) نہاد چیتین (ترکی) زوزنی کی حماسۃ الظرفاء (۹) ہائنریکیس (جرمنی) ثعلب کی کتاب قواعد الشعر (۱۰) صلاح الدین البحیری (مصر): الناصر داؤد کے خطوط، (۱۱) لوئی گاردے (فرانس) وحی کا اثر اخلاق اور سیاست پر (۱۲) بعون (انگلستان) مسلمانوں کے شہر ساتویں سے بارھویں صدی ہجری تک (۱۳) کیڈی (امریکہ) جمال الدین افغانی کا اثر حالیہ اسلامی بیداری پر (۱۴) سعید رمضان (سوئٹزرلینڈ) اسلام اور عربوں کی (جاہلانہ) قوم پرستی؟ (۱۵) (چکوسلواکیا) صدر الدین عینی کی تالیفیں (۱۶) محمد خلف اللہ احمد (مصر) فصیح عربی کا اثر جدید عربوں کی زندگی اور فکر پر، (۱۷) ام بلکوت (فرانس) ترکی کی پیشہ ورانہ انجمنیں (آخی)، (۱۸) فاروق سومر (ترکی) ہیمنجی قبیلے کے سردار کی یادداشت (۱۹) مرزا قدیر بیگ (کینیڈا) ابن عربی پر مجدد الف ثانی کی تنقید (۲۰) سلمان تیمی (عراق) خلافت کا اسلامی تصوّر (۲۱) عمر لطفی برکان (ترکی) ترکی میں سولھویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں کچھ معاشی و سماجی بحران، (۲۲) کاہن (فرانس) قرون متوسط

کے اختتام پر اسلامی معاشیات کی برتری یوروپی معاشیات پر (۲۳) سامی مکارم (امریکہ) الحاکم بامر اللہ (۲۴) ایس اے علی (ہندوستان) ابو الفیض فیضی کی ایک کم معروف فارسی لغت (۲۵) عبد القادر قرہ خان (ترکی) سلطان سلیمان کے زمانہ کی ترکی شاعری (۲۶) ہائد (اسرائیل) ترکی کتب فتاوی، (۲۷) ردبونسکی (ہنگری) لطافت نامہ خجندی (۲۸) نہاد کیگلک (ترکی) ابن عربی کی تازہ دریافت تالیف بلغۃ الحکمۃ، (۲۹) جارج مقدسی (امریکہ) حنبلی مذہب اور تصوف، (۳۰) احمد بن محمد ابراہیم (سنگاپور) سنگاپور میں مسلمانوں کے قانون شخصی میں تبدیلیاں (۳۱) محمود الحسن صدیقی (مکسیکو) قدیم اسماعیلی تبلیغی سرگرمی سندھ میں (۳۲) نبی بخش قاضی (پاکستان) احمد رومی کی دقائق الطریق (۳۳) ہانس کروز (جامعہ عثمانیہ) جھنڈا اسلامی فوج میں (لوا اور رایہ میں فرق) (۳۴) ناچیز محمد حمید اللہ (فرانس) ہجری سنہ اور ہجری و عیسوی تاریخوں کے تطابق پر ایک نئی جنتری کی تالیف کی ضرورت۔ اسکی بابت میں کانگریس نے بالاتفاق ایک قرارداد منظور کی، اور تسلیم کیا کہ موجودہ جنتریاں ناقابل اعتماد ہیں

شعبۂ چہارم (۱) ڈاگمار برنشٹروف (جرمنی) ۱۹۶۲ء کے عام انتخابات میں حیدرآباد دکن کا ایک شہری دائرۂ انتخاب (۲) سی ام نعیم (امریکہ) ہندوستانی پاکستانی کشمکش کا اثر اردو زبان اور ادب پر (۳) رفیق الرحمن (امریکہ) بنیادی حکومت عوام کا پاکستانی نظام، اور پنچایتی راج کا ہندی نظام،

شعبۂ دہم (۱) ذکی ولیدی طوغان (ترکی) برمکیوں کی اصل (۲) ال خانم (ترکی) وسط ایشیا کی قدیم ترین ترکی مسجد میں فن معماری کی خصوصیتیں، (۳) مانتراں (فرانس) الجزائر میں ترکی دور کے نظم ونسق کی خصوصیتیں،

اختتامی جلسہ اس ختم ہونے والی فہرست کو ختم کرکے صرف یہ عرض کرونگا کہ آیندہ اجلاس کیلئے جو تین سال بعد ہوگا کوئی مقام طے نہ ہوا، افغانستان کی دعوت آئی تھی ہسئلہ مجلس انتظامی پر چھوڑ دیا گیا ہے،

امام العصر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ

از

جناب مولانا عبد الحلیم صاحب چشتی، ایم۔اے، فاضل دیوبند

(۲)

درس حدیث میں تجدیدی کارنامہ علامۂ موصوف درس میں کتاب ہی نہیں پڑھاتے بلکہ علوم کا درس دیتے تھے جس سے طلبہ کے ذہن میں جلا، نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا اور انھیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا اور اس حیثیت سے طلبہ کے لیے یہ درس بڑی افادیت کا حامل تھا، اور ان کے معراج کمال کے لیے یہ بھی کچھ کم نہ تھا، لیکن درس حدیث میں علامہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا، اور جس طرح علامہ شرف الدین طیبی شافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے احادیث کی شرح میں نقد حدیث کے فن کو برتا اور فن بلاغت کے اسرار و معارف اور لغت و کلام کے نکات کو سمجھایا اور ان فنون کو شرح حدیث میں جاری کرکے دکھایا ہے، اسی طرح علامہ سید انور شاہؒ نے درس حدیث میں تمام متداول علوم و فنون کو حدیث کی شرح میں برتنا اور ان کے اجراء کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے، اس سے بحقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مغز حدیث تک رسائی کے لیے جملہ علوم میں دستگاہ ضروری ہے،

اس درس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ نے اس میں مشکلات علوم کو حل کیا ہے، اور فن کی دقیق باتوں کو سمجھایا ہے، ہندوستان اور پاکستان ایسے بہت سے جید علماء

گزرے ہیں جن کے حواشی و شروح نے مشکل سے مشکل کتاب کو پانی کردیا ہے اور ان سے استفادہ آج آسان ہوگیا ہے، لیکن ایسے علما، جنھوں نے کسی خاص فن کے مشکلات کو حل کیا ہو خال خال ہی ہیں، صرف علامہ سید انور شاہ کے متعلق یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی علوم کے مشکلات کو موصوف ہی نے سب سے زیادہ حل کیا ہے، ان وجوہ سے ان کے درس کی تقریروں (امالی) میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ امالی کی علمی دنیا میں اور کہیں نہیں ملتا، تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، ادب اور نحو کی متعدد امالی زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور یہ سب ائمۂ فن کی امالی ہیں، اور بعض امالی تو ایسے ائمۂ فن کی ہیں جن کو بعض علوم میں اجتہاد کا دعوی ہے، مگر ان میں سے کسی میں اس نوع کا تنوع اور ہمہ گیری نہیں ہے، فقہ کی امالی میں فقہی مسائل ہی سے بحث ہے اور لغت کی امالی کا دائرہ شعر و ادب تک محدود ہے، نحو کی امالی کا تعلق نحوی مسائل سے ہے، علامہ سید انور شاہ کی امالی میں ہر فن سے اعتنا ہے اور اس کے مشکلات کو حل کیا گیا ہے، اس لیے اس میں تنوع پایا جاتا ہے، اور اس کی حیثیت دائرۃ المعارف کی ہوگئی ہے، اس بنا پر یہ کہنا بیجا نہیں کہ علامہ موصوف کو اگرچہ نہایت محنتی اور ذکی تلامذہ ملے جنھوں نے اپنی استعداد کے مطابق ان کے درس کی تقریروں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے قلمبند کیا، اور ان کے علوم نے علمی دنیا کو متعارف کرایا، جو ان کا ناقابل فراموش علمی احسان ہے،

ضبط امالی کے صفات اربعہ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامۂ موصوف کے علوم کو قید تحریر میں لانے کے لیے محض ذکاوت و محنت ہی کافی نہ تھی، بلکہ علوم و فنون میں تبحر اور وسعت نظر بھی درکار تھی، جو ان صفات اربعہ سے آراستہ ہوتا وہی اُن کے درس سے پورا پورا استفادہ کرسکتا اور اُن کی درس کی تقریروں کو اچھی طرح قید تحریر میں لاسکتا تھا، اس مقدمہ پر علامہ سید انور شاہ کے درس کے متعلق بیساختہ وہ فقرہ زبان قلم پر جاری ہوجاتا ہے،

جو علامہ محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ نے علامۃ الدہر شیخ محمد بن محمد المشدالی المتوفی سنہ ۸۶۲ھ کے درس کے متعلق کہا تھا کہ

هذا الرجل لا ينتفع بكلامه	اس مرد کامل کی باتوں سے ماہر فن
لا ينبغي ان يحضر درسه الا	علما ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اور
لاحذاق العلماء[1]	ان ہی کو اس کے درس میں حاضر
	ہونا سزاوار اور لائق بھی ہے،

علامہ سید انور شاہؒ کے تلامذہ کو علوم میں وہ حذاقت و مہارت حاصل نہ تھی، جس سے وہ امام عصر کی درسی تقریروں کو اچھی طرح سمجھ سکتے، اور قید تحریر میں لاسکتے، دوران مطالعہ میں امام عصر کی امالی میں کہیں کہیں جو بعض موٹی موٹی غلطیاں نظر آجاتی ہیں، وہ اسی کا نتیجہ ہیں کہ اس اہم کام سے عہدہ برآ ہونا اُن کے تلامذہ کے بس کا کام نہ تھا، مجھے اس کا اندازہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی امالی صحیح مسلم کے دیکھنے سے ہوا، جو انھوں نے مسلم شریف کے سبق میں علامۂ موصوف سے سُن کر قلم بند کی تھیں، حالانکہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے علوم کی تحصیل اس دور کے ارباب کمال سے کی تھی، اور فقہ، منطق، فلسفہ، اصول، اور کلام وغیرہ کی چوٹی کی کتابیں ان اساتذہ سے پڑھی تھیں، جن کے درس کی ہندوستان میں بڑی دھوم تھی، لیکن انھوں نے جیسی کچھ درسی تقریریں سمجھی اور لکھی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایسے محنتی اور ذکی طالب علم بھی امام عصر کی پوری باتیں سمجھ نہیں پاتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے عجز کا اعتراف امالی صحیح مسلم[2] میں کیا ہے، اور جس مقام پر جو بات سمجھ میں

---

[1] ملاحظہ ہو البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع از قاضی محمد شوکانی، طبع قاہرہ ج ۲ ص ۲۴۸ [2] امالی صحیح مسلم کا یہ مجموعہ کسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

نہیں آئی ہے، وہاں نقطے ڈال دیئے ہیں، علامۂ موصوف کے علوم کی عظمت اُن کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ امالی اُن کو جان سے زیادہ عزیز تھی، اس کے گم ہو جانے کا ان کو ساری عمر افسوس رہا، اور وہ اس کی گم شدگی پر بڑی حیرت سے یہ شعر جس کو مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں بکثرت نقل کرتے ہیں، پڑھتے تھے،

آنچہ از من گمشدہ گر از سلیماں گم شدی
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

علامہ سید انور شاہؒ کے تلامذہ کا اُن کے علوم کو کما حقہ مدوّن نہ کر سکنے پر بھی امام شافعیؒ کا وہ قول یاد آتا ہے، جو انھوں نے امام مالکؒ کے معاصر امام لیثؒ بن سعد المتوفی ۱۷۵ھ کے متعلق فرمایا تھا، امام شافعیؒ کا قول یہ ہے،

اللیث افقہ من مالک الا[1] ان اصحابہ ضیّعہ، — امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے، لیکن امام لیث کے شاگردوں نے ان کو ضائع کر دیا،

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۱) کے ہاتھ آگیا تھا، موصوف نے فتح الملہم بشرح صحیح مسلم میں اس سے استفادہ کیا، اور امالی کا حوالہ بھی دیا ہے، (ملاحظہ ہو فتح الملہم، ج ۳ ص ۳۲۳) لیکن معلوم نہیں کیوں جامع امالی مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے نام لینے سے گریز کیا،

ہمیں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نزیل مجدہم کے توسط سے یہ مجموعہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے چھوٹے بھائی فضل احمد عثمانی سے دیکھنے کے لئے ملا تھا، گو یہ مجموعہ زیادہ ضخیم نہیں، مگر علامہ سید انور شاہ کے علوم کا آئینہ دار اور بہت سے علمی فوائد کا حامل ہے،

یعنی لم یدونوا فقہہ کما دونوا فقہ مالک وغیرہ وان کان بعضھم قد جمع منھا شیئاً — امام شافعیؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام لیث کے شاگردوں نے اُن کی فقہ کو مدوّن نہیں کیا، جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کو شاگردوں نے مدوّن کیا ہے، گو بعض تلامذہ نے اُن کے کچھ مسائل فقہیہ کو جمع کیا ہے لیکن وہ کوئی قابلِ ذکر کارنامہ نہیں ہے،

یہی صورت علامہ سید انور شاہؒ کے ساتھ پیش آئی، اُن کے شاگردوں نے اُن کے علوم کو مدوّن نہ کر کے اُن کو ضائع کر دیا، آج اُن کی جو امالی ہم کو ملتی ہیں وہ، اُن کے علوم کا ایک شمہ ہیں، اور یہ بھی وہ باتیں ہیں جو اُن کے شاگردوں نے اپنی فہم و بصیرت کے مطابق لکھی تھیں، اور علامہ نے بھی طلبہ کی استعداد کے پیش نظر بغیر طلب عام واقفیت کے لئے بیان کر دی تھیں، اگر سائل محقق ہوتا، اور سوالات بھی علمی کرتا، تو امالی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا، کاش سید انور شاہ کو بھی کوئی ایسا شاگرد مل گیا ہوتا، جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی کو حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ ملے تھے، کہ جب جی چاہا تقریر ضبط کرانے کے لئے خادم کو بھیج کر بلا لیا، یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح انھیں بھی کوئی محمد عاشق پھلتی مل گیا ہوتا، جو باصرار اُن سے اُن کے علوم کو مدوّن کراتا، تو علمی دنیا اُن کی امالی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی،

علامہ سید انور شاہ کی امالی کو قید تحریر میں لانے کے لئے موزوں ترین شخصیت علامہ شبیر احمد عثمانی

[1] ملاحظہ ہو الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ فی مناقب سیدنا الامام اللیث بن سعد از ابن حجر عسقلانی طبع بریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ص ۹

کی تھی، وہ بڑے ذہین، طبّاع، اور علوم معقول و منقول میں حاذق تھے، انھیں افہام و تفہیم کا بڑا
اچھا سلیقہ تھا، زور بیان اور حسن ترتیب کا بھی ملکہ تھا، عربی تحریر و تقریر پر بھی پوری قدرت حاصل
تھی، علامہ سید انور شاہؒ کو بھی اُن کے فہم و فراست پر پورا اعتماد تھا، اور یہ بھی علامہ موصوف کی
جامعیت، ژرف نگاہی اور وسعت معلومات کے قائل اور قدر دان تھے، اسی لئے فتح الملہم شرح
صحیح مسلم میں جگہ جگہ ائمہ فن اور کبار علماء کے اقوال کے ساتھ علامہ سید انور شاہؒ کے اقوال کو بھی
زیب قرطاس کیا ہے،

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں بڑی محنت کی، اپنی پوری جوانی اس میں لگا دی
تھی، پھر بھی وہ پوری نہ ہو سکی، قرآن مجید پر اردو میں حواشی اور تفسیر ان کا بڑا کارنامہ ہے
جس کے لئے آیندہ نسلیں اُن کی ممنون ہوں گی، لیکن اُن کے مرتبہ کا کام یہ تھا کہ وہ حجۃ الاسلام
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے مضامین اپنی زبان میں بیان کر جاتے تو عوام و خواص
دونوں ان سے استفادہ کر سکتے، یا علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی صحاح ستہ پر امالی (درسی
تقریروں) کو قید تحریر میں لے آتے، تو یہ علمی دنیا پر ان کا بہت بڑا احسان ہوتا، اور اُن کی
بقا کے لئے اور کسی چیز کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے یہ کام نہیں کیا، اُن
کے مقابلہ میں سید انور شاہؒ نے اپنی فطری صلاحیتوں سے وہی کام لیا، جو ان کے دل و دماغ
کا اچھے سے اچھا مصرف ہو سکتا تھا، ان کی اس دماغی فوقیت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی
قوتوں سے وہ کام لیا، جو اُن کے ہمعصروں کی دسترس سے باہر تھا، علوم قرآن، حدیث، فقہ،
اصول، کلام، فلسفہ سے متعلق اپنی تالیفات اور امالی میں جس قدر مواد یکجا کر دیا ہے، وہ علوم کا
گویا نچوڑ ہے،

تاہم علامہ سید انور شاہ کے بعض تلامذہ نے ان کے علوم کو جس قدر اور جس صورت میں

مرتب و مدون کر دیا ہے، وہ بھی اہل علم کے لئے بڑا کارآمد اور قیمتی سرمایہ ہے اور آج علامہؒ
کے گوناگوں علوم میں تبحر کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ یہی امالی ہیں، گو ایک ہوشمند عالم
مختلف موضوع پر اُن کے مختصر رسالوں کے مطالعہ سے ان کی جامعیت، جلالت شان، اور
ان میں مجتہدانہ بصیرت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے، لیکن جو تنوع اُن کی امالی میں ہے، وہ تالیفات
میں نہیں، کیونکہ اُن کے موضوع خاص ہیں جن کی بحث کے گوشے بھی مخصوص اور محدود ہوتے ہیں، اس
کے برعکس درس کے حدود نہایت وسیع ہیں، اس میں بہت سے مسائل زیر بحث آجاتے ہیں،

علامہ سید انور شاہؒ کی امالی اگرچہ پوری صحاح ستہ پر ہیں، لیکن العرف الشذی علی
جامع الترمذی، فیض الباری علی صحیح البخاری اور معارف السنن جس میں علامہ موصوف کے مشکلات
علوم کی توضیح و تشریح کی ہے، امالی علی صحیح مسلم، امالی علی سنن ابی داؤد، امالی علی سنن ابن ماجہ
زیادہ اہم ہیں، اول الذکر تین کتابیں، اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان کی سرزمین پر
پہلی اور آخری ہیں، ہندو پاک میں علوم سے معمور ایسی مفید اور جامع کتابیں کبھی نہیں لکھی گئیں،
میں جب ان امالی کو دیکھتا ہوں تو استاد اور شاگرد دونوں کو دعائیں دیتا ہوں۔

ان امالی میں علامہ سید انور شاہؒ نے اس زمانہ میں حنفی مذہب کو حدیث کی بنیاد پر
جس طرح مستحکم کیا ہے، وہ حقیقت میں اُن کا بڑا کارنامہ ہے، اکثر مواقع پر علامہ موصوف
کی دقت نظر اور علوم و فنون میں حذاقت ان کو متقدمین کی صف میں بھی ممتاز و نمایاں
کر دیتی ہے، ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء پھر کمال یہ ہے کہ اُن کی تنقید
کے الفاظ میں ایسی احتیاط ہے کہ ادب کا پہلو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، اسی سے
اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف باینہمہ علم و فضل اخلاق و تقویٰ کے کیسے بلند مقام پر
فائز تھے،

اکابر دیوبند کے کمالات جانچنے کا معیار

اکابر دیوبند میں محقق عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ
سُنّت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم
نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم کے علمی و عملی کمال کے جانچنے کا
جو صحیح ترین معیار ہے، بحمد اللہ اس معیار پر علامہ سید انور شاہ کشمیری پورے اترتے ہیں
یہ حقیقت پسندانہ معیار بھی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے بتا دیا ہے، فرماتے ہیں:

"لوگ کہتے ہیں کہ رازی اور غزالی پیدا ہونا بند ہوگئے، مگر بالکل غلط ہے، ہمارے
حضرات رازی اور غزالی سے کم نہ تھے، علوم میں بھی کمال میں بھی،
بات یہ ہے کہ حیات میں قدر نہیں ہوتی، مر جانے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ اور
پچاس برس گذر جانے کے بعد قدس سرہ ہو جاتے ہیں، اور تماثل کے معلوم ہونے
کا بڑا اچھا معیار ہے، اُن کی تحقیقات کو بھی دیکھ لیا جائے، اور ان حضرات کی
بھی، اس سے معلوم ہو جائے گا"[1]

عارف تھانویؒ حسن العزیز میں فرماتے ہیں،،
ان حضرات کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرا دیا جائے، اور تبلایا جائے تو
دیکھنے والے رازی و غزالی کے زمانہ کی تبلا دیں گے،،[2]

جس کو اس امر میں تامل ہو وہ علامۂ موصوف کی تصانیف کا موازنہ قدماء کی تصانیف
سے کر کے دیکھ لے حقیقت آشکارا ہو جائے گی، مثلاً تکفیر کے موضوع پر جن ائمۂ فن نے قلم

---

[1] ملاحظہ ہو: الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ طبع کراچی ج ۲ ص ۲۹۹ و ۳۰۰
[2] ملاحظہ ہو حسن العزیز (ملفوظات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) شائع کردہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون، بھارت ج ۲ ص ۳۰۴،

اٹھایا، اُن میں حجۃ الاسلام امام غزالی ابن حزم ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ کا نام سرفہرست ہے،
لیکن جیسی جامعیت استیعاب مباحث اور تنقیح مناط علامہ سید انور شاہ کے رسالہ اکفار الملحدین
فی ضروریات الدین (مجلس علمی ڈابھیل سورت) میں ہے، ان ائمہ کے یہاں نہیں، اس سے
اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا دعوی کس حد تک صداقت پر مبنی ہے،

علامۂ موصوف نے اپنی خداداد فہم و فراست اور ذکاوت و بصیرت سے اپنے رسائل اور
امالی میں مشکلاتِ علوم کو جس طرح حل کیا ہے، ان کو بلحاظ جامعیت، وسعت نظر، عالمانہ
دقت اور کمال فن بڑے بڑے اہل کمال ائمہ کی تحقیقات کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے، اس کی تفصیل
سے یہ مضمون کتاب بن جائے گا، اس لئے ہم اُس کی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں،

کتاب الایمان کی معرکۃ الآراء بحث "الایمان یزید وینقص" میں علامہ شبیر احمد عثمانی
نے فتح الملہم میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ شیخ عبد الوہاب شعرانی المتوفی
۹۷۳ھ اور علامہ ابو محمد علی بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا قول پیش کرنے کے بعد علامہ سید
انور شاہ کا قول نقل کیا ہے[1]

اس مسئلہ پر کہ کفار بھی معاملات میں مخاطب ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں
حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدر الدین عینی کا کلام نقل کرنے کے بعد حافظ
سید انور شاہ کا فیصلہ نقل کیا ہے[2]

نزولِ عیسیٰ کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں سید انور شاہ کی پُر مغز بحث کو
پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے[3]

اسی طرح معراج کے باب میں آیت شریفہ ولقد راٰہ نزلۃً اخری کی توضیح

---

[1] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۹ [2] ایضاً ص ۱۸۷ [3] ایضاً ص ۳۰۱،

وتشریح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ الٰہی کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے صرف علامہ سید انور شاہؒ کے کلام کو نقل کیا ہے، اور کسی اور محقق کے کلام کو پیش کرنے کی حاجت نہیں سمجھی ہے[1]،

حدیث شریف نورانی اراہ کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں مشہور شارح بخاری شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی مازری مالکی المتوفی ۵۳۶ھ کا قول نقل کرنے کے بعد سید انور شاہ کا قول پیش کیا ہے، پھر یہ لکھا ہے، ولا یخفی ما فیہ من اللطافۃ[2]،

اسی طرح مسح ربع راس (چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت) کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے فقیہ ابو الولید محمد بن رشد مالکی المتوفی ۵۹۵ھ اور محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ کی بحث کے بعد علامہ سید انور شاہ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے[3]،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وضو میں سات مرتبہ پاؤں دھونے کے متعلق حافظ ابو زکریا محی الدین نووی المتوفی ۶۷۶ھ کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانیؒ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی توجیہ پیش کی ہے، اور علامہ سید انور شاہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو مستدل پیش کیا ہے، وہ نقل کیا ہے، یہ مستدل ان دونوں حفاظِ حدیث کی نظر میں نہیں پڑا[4]،

علامہ موصوف کی تحقیقات کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فیضان آج بھی اس اُمت پر ویسا ہی جاری و ساری ہے، جیسا کہ پہلے تھا، ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے حدیث ان اللہ یبعث علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا پر بحث کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے،

ان ھذا التجدید امر اضافی — یہ تجدید ایک امر اضافی ہے، کیونکہ

---

[1] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۳۵ [2] ایضاً ص ۴۴۱ [3] ایضاً ص ۲۹۰؛
[4] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۹۳؛

لان العلم کل سنۃ فی التنزل — علم سال بسال گھٹتا جا رہا ہے،
کما ان الجھل کل عام فی — جہل بڑھتا جا رہا ہے، ہمارے دور
الترقی وانما یحصل ترقی علماء — کے علماء کی ترقی ہمارے علم کے تنزل
زماننا بسبب تنزل العلم — کے سبب سے ہے، ورنہ متقدمین اور
فی اوانئا والا فلا مناسبۃ — متاخرین علماء میں علم و عمل، حلم و
بین المتقدمین والمتاخرین — فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے
علما وعملا وحلما وفضلا — کوئی مناسبت ہے،
وتحقیقا وتدقیقا[1]،

یہ کوئی حکم کلی نہیں ہے، متاخرین علماء میں جو اربابِ کمال اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان میں علامہ سید انور شاہؒ بھی داخل ہیں، سچ ہے،

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است — خم وخمخانہ با مہر ونشان است
نقصان زقابل است وگرنہ علی الدوام — فیضِ سعادتش ہمہ کس را برابر است

موصوف کی علامہ سید انور شاہ کے الفاظ سے شہرت کی وجہ

علامہ سید انور شاہ کشمیری اکثر ایسی اونچی بات کہتے ہیں جس کو بغیر تمہید و ترتیب مقدمات طلبہ کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے، اس امر کا صحیح اندازہ ایک مدرس مزاج انسان ہی کر سکتا ہے، جس طرح علمی دنیا میں دقتِ نظر، علومِ عقلیہ میں مہارت، اور جلالتِ علمی کی وجہ سے علی بن محمد جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ کو علامہ سید شریف جرجانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح محمد انور شاہ کو اہلِ علم کے طبقہ میں علامہ سید انور شاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے،

---

[1] ملاحظہ ہو مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح از ملا علی قاری مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ۱ ص ۲۴۳؛

جن اہلِ علم نے اس خوانِ علم کی زلہ ربائی کی وہ آسمانِ علم کے درخشاں ستارے بنے اور
اس عہد کے اکابر علماء میں ان کا شمار ہوا، ان میں جو وسعتِ نظر پیدا ہوئی وہ علامہ سید انور شاہ
کے حلقۂ درس کا فیضان ہے، ایسے ہی نامور تلامذہ کو مولانا سید سلیمان ندوی نے دائرۂ علم
سے تعبیر کیا ہے، یادِ رفتگاں میں لکھتے ہیں؛

"بعض مشاہیر کے نام جو مجھے معلوم ہیں وہ یادگار کے طور پر سپردِ قلم کرتا ہوں،
مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابو المآثر محمد حبیب الرحمان اعظمی مئو، مولانا مفتی محمد شفیع
صاحب دیوبندی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا محمد یوسف
صاحب بنوری، ان میں سے ہر ایک بجائے خود دائرۂ علم ہے[۵۱]"

مشکل پسندی اور مختصر نگاری

حقیقت و صداقت، عقیدت و محبت سے بلند ہے، اس لئے علامہ انور شاہ
کے کمالات کے ساتھ اس کا بھی اعتراف ہے کہ اُن کی طبیعت میں مشکل
پسندی اور مختصر نگاری تھی، اس لئے اُن کی تحریر و تقریر کو عوام کیا خواص کے لئے سمجھنا بھی
مشکل ہے، اُن کی تقریر کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا
بیان ہے، فرماتے ہیں:۔

"وہاں شملہ کے بعض معززین تعلیم یافتہ صاحبوں نے مولانا انور شاہ صاحب
سے کہ وہ بھی اسی سفر میں تھے، اعجاز القرآن پر بیان کرنے کی فرمائش کی، چنانچہ
بیان کیا گیا، مضمون غامض تھا، وہ لوگ بھی نہیں سمجھے، پھر ان پر اعتراض کیا
گیا کہ ایسے بیان سے کیا نفع جو سمجھ میں ہی نہیں آیا، یہ بیان تو مدرسۂ دیوبند میں
بیٹھ کر کرنا تھا، اس کا جواب بھی وعظ میں میں نے ہی دیا کہ شاہ صاحب نے

[۵۱] ملاحظہ ہو یادِ رفتگاں، طبع کراچی ۱۹۵۵ء، ص ۴۵۳،

جو ایسا بیان کیا ہے، وہ اضطراراً نہیں کہ سہل بیان پر قادر نہیں، بلکہ ایک مصلحت
سے قصداً بیان کیا ہے، اور مصلحت یہ ہے کہ آج کل مدعیانِ علم بہت زیادہ پیدا
ہوگئے ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے، حتیٰ کہ انگریزی پڑھ پڑھ کر قرآن
و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر علوم میں دخل دینے لگے ہیں، تو شاہ صاحب رح
نے دکھلا دیا کہ تم اہلِ علم کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ قرآن و حدیث
میں اجتہاد کر سکو،

بتلائیے اس بیان سے یہ نفع تھوڑا ہوا کہ تم کو اپنے جہل پر اطلاع ہوگئی،
سب شرمندہ ہوگئے، مجھ کو جاہلوں کا علماء پر اعتراض کرنا بھی ناگوار ہوتا ہے،
اس لئے بھی یہ جواب دیا گیا"[۵۲]

اسی مشکل پسندی اور مختصر نگاری کی بنا پر ان کے قلم سے جو دو چار رسالے نکل گئے
ہیں، اُن کو بڑے سے بڑا محقق بار بار مطالعہ کئے بغیر پوری طرح نہیں سمجھ سکتا، چنانچہ فاتحہ
خلف الامام جیسے پامال موضوع پر جب علامہ نے قلم اٹھایا، تو ایسا رسالہ لکھا کہ اہلِ علم کو اشتہار
میں یہ لکھنا پڑا کہ بڑے بڑے علماء اس کو مشکل سے سمجھ سکتے ہیں، اس لئے معمولی استعداد کے
لوگ طلب کرنے کی زحمت نہ کریں،

یہ عجیب و غریب اشتہار، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے کلیات شیخ الہند رح
کے سرورق کی پشت پر دیا تھا کہ:

"فصل الخطاب فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں محدثانہ تحقیقات اور عالمانہ

[۵۲] ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافادات القومیہ طبع تھانہ بھون
۱۳۳۱ھ ج ۶ ص ۱۶۶،

مضامین کا فی الحقیقت بے مثل رسالہ جو اکابر محدثین کی تصنیفات کا سچا نمونہ ہے، دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں بکمال انصاف تحریر فرمایا ہے، بڑے بڑے علماء بھی مشکل سے سمجھتے ہیں، کم استعداد مولوی طلب نہ فرمادیں[1]"

علامہ سید انور شاہ میں اگر تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ ہوتا، اور ان میں مشکل پسندی ایجاز، اور مختصر نگاری نہ ہوتی، اور ان کو اپنے معاصر محدث "ناقد شیخ محمد زاہد کوثری" کا پیرایۂ بیان اور ترتیب و تہذیب مل جاتی، اور یہ کام ان کے ہاتھوں انجام پاتا، تو دنیا میں صحاح ستہ کے سمجھنے کے لیے کسی اور کتاب کی حاجت نہ رہ جاتی، اور کسی کو اس پر قلم اٹھانے کی گنجائش باقی نہ رہتی، مگر ان بے نفسوں کو اخفائے حال میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ چاہتے ہی نہ تھے کہ دنیا میں ان کو عالم کی حیثیت سے پہچانا جائے، بزرگوں کے جبر نے تدریس پر بھی آمادہ کیا، ورنہ ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا،

---

[1] ملاحظہ ہو کلیات شیخ الہند، مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۴۰ھ

دستور المفترین

ایک نادر علمی تصنیف

از

جناب محمد سالم صاحب قدوائی ایم اے شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ رسالہ ناسخ و منسوخ سے متعلق ہے اور اس فن پر بہت ہی مفصل اور عمدہ تصنیف ہے[1]، اس کے مصنف عماد الدین محمد عارف عرف عبد النبی عثمانی شطاری سندیلوی ثم اکبر آبادی ہیں، ان کے والد شیخ عبد اللہ بھی بڑے پایہ کے عالم اور صوفی بزرگ تھے، یہ دونوں چیزیں شیخ عبد النبی کو اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھیں، افسوس ہے کہ ان کے مفصل حالات اور ولادت و وفات کی تاریخوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا، البتہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا زمانہ دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی ہجری کے شروع کا ہے، ان کی بعض کتابوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے، صاحب نزہۃ الخواطر اور مولوی رحمان علی صاحب تذکرۂ علمائے ہند نے ان کی تصنیف فواتح الانوار کے حوالہ سے ان کا زمانہ سنہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۲ء متعین کیا ہے، فواتح الانوار کی عبارت یہ ہے:۔

---

[1] ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے اپنی کتاب The Contribution of India To Arabic Literature میں اسے لاپتہ قرار دیا ہے، لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ میں مولانا عبد الحئی صاحب کے ذخیرۂ کتب میں مخطوط نمبر ۹/۴ کے تحت موجود ہے۔

قد وقع الفراغ یوم الجمعة
تامن ثانی عشر من عشرین من
حادی عشر من الهجرة تجاه مرقد
الشیخ الوالد الواقع ببلدة آکرہ
صانها الله من جمیع مایکرہ و
تاریخ اتمامه افضال حق ۱ ؁

جمعہ کے دن ۸ / ذوالحجہ ۱۰۲۰؁ میں
والد محترم کے مزار کے سامنے شہر آگرہ
(اللہ تعالیٰ اسے تمام ناپسندیدہ باتوں
سے محفوظ رکھے) میں اس کے لکھنے سے
فراغت ہوئی، اس کی تاریخ اتمام
"افضال حق" ہے

لیکن دستور المفسرین کے خاتمہ کی عبارت سے تاریخ ۱۰۲۱؁ نکلتی ہے:

وقد حصل الفراغ من تسوید
هذا المقال بعون الله الملك
الوهاب المتعال ضحوة یوم
الاثنین حادی عشرین
من الثانی وهو من حادی عشرین
من احدی عشر من سنی هجرة ۲ ؁

اللہ بزرگ و برتر کی مدد سے اس
مقالہ کو دوشنبہ کی صبح ۲۱ / صفر
۱۰۲۱؁ میں لکھنے سے فراغت ہوئی۔

ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن کا ذکر طرب الاماثل تراجم الافاضل ص ۲۲۷، نزہتہ الخواطر ۵/ ۲۶ اور تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۵ میں ملتا ہے، مختلف تذکروں میں انکی اڑتالیس کتابوں کے نام ملتے ہیں، مثلاً فواتح الانوار شرح لوائح الاسرار، ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوٰۃ، شرح الفصوص، الفوائح، شوارق اللمعات شرح اللمعات، دستور السادۃ، حاشیہ شرح جامی، لوامع الانوار فی مناقب السادات، رسالہ ناسخ التناسخ، شرح جام جہاں نما،

---

۱ تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۲۷ (اردو ترجمہ) نزہتہ الخواطر ۵/ ۲۶، طرب الاماثل تراجم الافاضل ص ۲۲۷،
۲ دستور المفسرین ورق ۳،

توہمات المغیبۃ، مقامات العارفین، حدائق الانشا، کشف الانوار، دستور المفسرین وغیرہ، ان میں سے اکثر کا پتہ نہیں چلتا۔

زیر نظر تصنیف دستور المفسرین غالباً ان کی آخری تصنیف ہے، اس لیے کہ انھوں نے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر اجل نے مہلت دی تو ایک رسالہ آیات متشابہات کی تاویل میں لکھیں گے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، کیونکہ اس قسم کے کسی رسالہ کا ان کی تصانیف میں ذکر نہیں ملتا ہے،

دستور المفسرین ۳۰ اوراق کا رسالہ ہے، یہ نسخہ صاف خط اور خاصے بہتر حال میں ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:-

"بسم الله الرحمن الرحیم۔ وارجو منك الافاضة تكریم
الحمد لله الذی نسخ سنن الضلالة والهوی ومسخ ومحی سنن
الغوایة والردی ......"

اس کے بعد خاصا طویل مقدمہ ہے، جس میں یہ بحث کی ہے کہ آیات کیوں اور کس طرح سے منسوخ ہوئیں، اس سلسلہ میں مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا ذکر اور ان کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کے بعد اپنے نام اور علم تفسیر سے تعلق لکھتے ہیں:

وبعد فیقول العبد المفتقر
الی العنایات القیومی عبد النبی
بن سراج الدین شیخ عبد الله
الصوفی العثمانی نسبة والشطاری

حمد و ثنا کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کا
طالب بندۂ ناچیز عبد النبی بن سراج الدین
شیخ عبد اللہ صوفی جو نسبتاً عثمانی اور
خرقتاً شطاری اور ملتاً و مذہباً حنفی ہے

خوقة والمختفي من هباء ملة الاحوذي
موطنا واقامته ان علم التفسير
من بين العلوم علما ارفعها
قدرا واوفاها مثالا واعظمها نفعا واعتبارا
اذ هو مفخر العلوم ومنبعها وكنز
الشرائع ومعدنها اودع الله
سبحانه فيه اللطائف والغرائب
وكل ما كان ويكون من العجائب
ولا رطب ولا يابس الا في
كتاب مبين (ورق ۲-ب)

جس کی اقامت اور وطن اگرہ ہے،
عرض کرتا ہے کہ علم تفسیر تمام علوم میں ایسا
علم ہے جو اپنی قدر اور مثال کے اعتبار سے
بلند ہے، اپنے نفع کے اعتبار سے عظیم ہے
اور یہ تمام علوم میں سب سے قابل فخر اور سب کا
سرچشمہ ہے، شریعت کا خزانہ اور اس کی
کان ہے، اللہ تعالی نے اس میں لطائف
و غرائب ودیعت کیے ہیں اور ہر وہ عجیب
بات جو ہو سکتی تھی یا ہے اور ہر رطب و یابس
اس کتاب مبین (کلام اللہ) میں موجود ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

ولما كان هذا العلم من
حيث انه اساس الاصول
الدينية ومقياس للفروع
المستنبطة من الحجج اليقينية
موقوفا على علم التاريخ و
المقدم والموخر سيما الناسخ
والمنسوخ فان له مدخلا
تاما في توضيح المعاني ومن جهل

اور جب کہ یہ علم اصول دینیہ کی بنیاد
اور محکم دلیلوں سے مستنبط ہونے والی
باتوں کا پیمانہ ہے، یہ تاریخ اور
مقدم و موخر کے علم پر، خاص طور
سے ناسخ منسوخ کے علم پر موقوف
ہے، توضیح معانی میں اس کو خاص
دخل ہے، اور جو شخص اس کو نہ جانتا
ہو اس کے لئے توضیح و تفسیر کے میدان

يعلم ذالك فلا عليه الاقدام
في ميدان تلويح المباني ولا
يجوز له التفسير والبيان
وذكر ترجمة القرآن و
استدلال الآيات في المسائل
والمعاملات والاحتجاج و
البرهان في المقاصد و
المدعيات لانه يفضي الى
تحريم الحلال وتحليل الحرام
واباحة المحظور وحظر المباح
للانام، (ورق ۳)

میں قدم رکھنا اچھا نہیں ہے، اور
اس کے لئے تفسیر و بیان اور قرآن کا
ترجمہ کرنا، مسائل و معاملات کی
آیات کا استدلال، مقاصد و
معاملات کے سلسلہ میں دلائل و
براہین پیش کرنا جائز نہیں ہے،
اس لئے کہ اس سے مخلوق کے لئے
حلال کو حرام کرنے اور حرام کو
حلال کرنے، ممنوع چیزوں کے
جواز اور مباح چیزوں کی ممانعت
تک نوبت پہونچتی ہے،

اس کے بعد اس سلسلہ میں احادیث و اقوال نقل کئے ہیں جن میں اس کی تاکید ہے
کہ ناسخ و منسوخ کا علم ایک مفسر کے لئے بہت ضروری ہے، پھر اس کتاب کے لکھنے کی
ضرورت بیان کی ہے، اور بتایا ہے کہ ان کے پیش نظر کیا ہے،

عزمت ان اجمع رسالة
كافلة في هذا الباب شاملة
لجميع الفصول والابواب
محتوية لجميع ما يهم ويقصد
في هذا المقصد الاعلى جامعة

میں نے اس باب میں ایک مکمل
رسالہ مرتب کرنے کا ارادہ کیا،
جس میں اس مسئلہ کی تمام فصلیں
اور ابواب شامل ہوں، اور
وہ تمام چیزیں اس میں آجائیں

لکل ما یجب ان یعلم و
یطلب فی هذا المطلب
الاسنی من کون السور
مکیة او مدنیة مع مافیها
من المختلفات والمستثنیات
وتعداد الآیات وعدد الحروف
والکلمات وتتبعت رسائل
متعددة وتفحصت صحائف
متنوعة وامعنت النظر و
اجلت الفکر واستخرجت
منها الدر الثمین ومیزت
القشر عن اللب والغث عن
الثمین فجمعت اوراقا عدیدة
فی هذا الشان مضطربة
علی ما لابد منه فی الایضاح
والبیان مستنبطة عن
مصنفات العلماء المحققین
ومستخرجة عن مؤلفا فضلاء
المتاخرین وسمیته دستور

جن کا قصد وارادہ اس عظیم مقصد
کے حصول کے لئے کیا جاتا ہو، جس
میں وہ تمام باتیں جمع ہوں جن کا
اس اعلیٰ مطلب کے لئے جاننا ضروری
ہو، مثلاً سورتوں کے متعلق کہ وہ
مکی ہیں، یا مدنی، مع اُن کے اختلاف
اور مستثنیات کے، آیتوں کی تعداد،
حروف وکلمات کی تعداد، میں نے
اس سلسلہ میں متعدد رسالوں کا
اتباع کیا ہے، اور مختلف قسم کی
کتابوں کو دیکھا ہے، اور اُن پر
بڑی گہری نظر ڈالی ہے، اور بہت
غور و فکر کیا ہے، میں نے اس میں
سے قیمتی موتی نکالے ہیں، اور مغز کو
پوست سے الگ کیا ہے، جھاگ سے
مکھن نکالا ہے، پس میں نے یہ چند
اوراق اس سلسلہ میں مرتب کئے
ہیں، جو توضیح وبیان کے لئے ازحد
ضروری تھے، یہ قدماء محققین اور

المفسرین لیکون دستورا للذاکرین
وعروة للواعظین،
(ورق ۳-ب)

بڑے بڑے فضلائے متاخرین کی
تصانیف سے ماخوذ ہیں، اور میں
نے اس کا نام دستور المفسرین رکھا
تاکہ ذکر کرنے والوں کے لئے ایک
دستور اور واعظین کے لئے مضبوط
رسّی ہو،

اس تصنیف کو مصنف نے خانخاناں کے نام معنون کیا ہے، اور خانخاناں کی بڑی تعریف کی ہے، اور اس کو "والی اقالیم الفضل والکرم" "مغز العلماء والفضلاء"، شمس فلک بدر الدجی، علم الهدی، بحر الهند، عضد الدولة القاهرة، وحید العصر، فرید الزمان، صاحب السیف والقلم، معدن الجود ومنبع الکرم، جامع العلوم والعرفان، معین الاسلام والایمان وغیرہ بڑے بڑے القاب سے یاد کیا ہے،

اصل موضوع شروع کرنے کے بعد لفظ نسخ کی لغوی تشریح کی ہے، نسخ کے معنی ازالہ کے ہوتے ہیں کبھی نقل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل کرنے کو بھی کہتے ہیں، اور اس بارہ میں مختلف علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، :-

اعلم ان النسخ فی اللغة الازالة
یقال نسخت الظل ای ازالته
الظل والنقل ایضا یقال نسخ
الکتاب ای نقلته ونسخت
النحل ای نقلته من موضع

جان لو کہ نسخ کے لغوی معنی ازالہ
کے ہیں، کہا جاتا ہے کہ "نسخت الظل"
یعنی سایہ مٹ گیا، اور نقل کے معنی میں
بھی مستعمل ہے، جیسے نسخت الکتاب
یعنی میں نے کتاب نقل کی، منتقل ہونے

عربی	اردو
الی اخرہ ومنہ المناسخات	کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے نسخت
لانتقالہ من وارث الی	النخل" یعنی پودے کو ایک جگہ سے
آخر	دوسری جگہ منتقل کیا، اسی سے مناسخہ
(ورق - ۵)	نکلا ہے، یعنی وراثت کو ایک
	وارث سے دوسرے کی طرف
	منتقل کرنا،

یہ بحث بہت لمبی کی ہے، اور اس میں مصنف نے مختلف مثالیں دی ہیں، علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور فنی ولغوی باتوں کی طرف اشارے کئے ہیں، اور اُس کے حوالے دیئے ہیں، ابن حاجبؒ[1]، سیدی نحاسؒ[2] مسکین[3]، ابو مسلم اصفہانیؒ[4] وغیرہ کی روایتیں بھی بیان کی ہیں، لغوی بحث کے بعد اس پر بحث کی ہے، کہ نسخ کس قسم کے احکام میں ہوا ہے، اس میں بھی قدماء کے اقوال نقل کئے ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک محض امر و نہی کے احکام میں ہوا ہے، بعض کے نزدیک امر و نہی کے علاوہ وعدہ وعید اور ایسی

---

[1] عثمان بن عمر متوفی ۶۴۶ھ مالکی فقیہ تھے، اکابر علماء میں اُن کا شمار ہے،

[2] احمد بن محمد ابن اسماعیل ابو جعفر النحاس متوفی ۳۳۸ھ ہجری، مفسر اور ادیب بلند پایہ تھے،

[3] ربیع بن عامر مسکین الدارمی،

[4] محمد بن بحر الاصفہانی ابو مسلم متوفی ۳۲۲ھ بہت بڑے عالم مفسر اور ادیب تھے، جامع التاویل ان کی اہم تصنیف ہے،

خبروں میں ہوا ہے جن کا تعلق امر و نہی سے ہے، لکھتے ہیں:-

عربی	اردو
اعلم انّہ اختلف العلماء	نسخ کن چیزوں میں واقع ہوتا
فیما یقع علیہ النسخ فقال	ہے، علماء میں اس سلسلہ میں اختلاف
مجاهد بن جبیر وسعید	ہے، مجاہد بن جبیرؒ، سعید بن جبیرؒ
بن جبیر وعکرمہ	اور عکرمہ بن حیان کہتے ہیں کہ
بن حیان انّ النسخ	نسخ صرف امر و نہی میں واقع
لا یقع الا علی الامر	ہوتا ہے،.........
والنهی فقط وقال....	....
....	....
....	....
	....
.... قد یقع النسخ علی الامر	....
والنهی وعلی الاخبار التی	کہتے ہیں کہ نسخ امر و نہی اور ان
یکون بمعنی الامر والنهی	خبروں میں بھی ہوتا ہے، جو امر
واما الخبر الذی لیس	و نہی کے معنی میں بھی استعمال
بمعنی الطلب فلا یدخله	ہوں، لیکن جو خبر طلب کے معنی
النسخ والوعد والوعید،	میں نہ ہو اس پر نسخ واقع نہیں
وقال عبد الرحمن بن	ہوتا، اور وعدہ وعید پر بھی،
زید قد یدخل النسخ علی الامر	عبد الرحمن بن زید کہتے ہیں کہ نسخ

والنهى والاخبار ولم يفصل	اور اخبار میں واقع ہوتا ہے،
وقال جماعة يقع النسخ	انھوں نے اس کی تفصیل نہیں بیان
على الامر والنهى وعلى ما	کی ہے، ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے
قيل للاستثناء،	کہ نسخ امر و نہی پر واقع ہوتا ہے
(ورق ۶ ب)	استثنا کے لئے بھی ہوتا ہے،

یہ بحث بھی خاصی طویل ہے، اس میں مثالوں اور اقوال سے نسخ کی قسمیں سمجھائی ہیں، اس کے بعد کتاب اللہ سے نسخ کی چار قسمیں بتائی ہیں،

(۱) الرّفع الی ما ھُو اغلظ من الاوّل واثقل منه یعنی آسان حکم کو منسوخ کرکے مشکل حکم کا نزول، جیسے ابتدائے اسلام میں اختیار تھا کہ چاہے روزہ رکھے، چاہے فدیہ دے، پھر روزہ فرض کرکے اختیار منسوخ کر دیا گیا جو فدیہ سے سخت ہے،

(۲) الرّفع مِن غیر بدل یعنی بغیر کسی بدل کے حکم کا نسخ، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں، اور بعض اسکے منکر ہیں، جو جواز کے قائل ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں، کہ جب مصلحت کے تقاضے سے آسان حکم منسوخ کرکے اسکے عوض مشکل حکم نازل ہو سکتا ہے، تو بغیر کسی بدل کے بدرجۂ اولیٰ ہو سکتا ہے، جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ کلام مجید کی، اس آیت کو دلیل میں پیش کرتے ہیں وما ننسخ من آیة او ننسها نأت بخیر منها،

(۳) الرّفع ما ھو اخف منه: یعنی مشکل حکم کو منسوخ کرکے اُس کی جگہ آسان حکم کا نزول جیسے آغاز اسلام میں ایک مسلمان کے لئے دس کافروں کا مقابلہ کرنا فرض تھا، یا ایّھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین، الخ،

پھر مسلمانوں کی کمزوری دیکھ کر اس میں تخفیف کر دی گئی، اور ایک مسلمان کا مقابلہ صرف دو کفار سے فرض رکھا گیا الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین،

(۴) الرّفع الی ما ھُو مثله یعنی برابر برابر کا حکم جیسے پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے، پھر اس کو منسوخ کرکے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کن صورتوں میں نسخ جائز ہے، اسکے متعلق بھی اقوال اور مثالیں پیش کی ہیں، آگے چل کر نسخ کی چار بڑی قسمیں پھر بیان کی ہیں (۱) نسخ الکتاب بالکتاب (۲) نسخ الکتاب بالسنة، (۳) نسخ السنة بالسنة (۴) نسخ السنة بالکتاب،

۱۔ نسخ الکتاب بالکتاب یعنی پہلی قسم پر سب متفق ہیں، :-

فجائز اتفاقاً لتساویھما فی	یہ چیز متفقہ طور پر جائز ہے، کیونکہ
المعنی لورد العمل بھما کنسخ	معنی کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں،
الاعتداد بالحول الذی	جیسے عدت کی سال بھر کی مدت
ثبت بقوله تعالیٰ والّذینَ	جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت
یُتَوفّون منکم ویذرون	ہے کہ تم میں سے جو لوگ وفات
اَزْواجاً وصیّة لازواجھم	پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں
ومتاعاً الی الحول غیر اخراجٍ[1]	چھوڑیں اُن کو چاہئے کہ اپنی
بالاعتداد باربعة اشھر و	بیویوں کے حق میں یہ وصیت
عشراً الثابت بقوله تعالیٰ	کر جائیں، کہ ایک سال تک

[1] سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۰

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ	ان کو نان و نفقہ دیا جائے، اور وہ
وَيَذَرُوْنَ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ	گھر سے نہ نکالی جائیں" اللہ تعالیٰ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا[1] فإنه	کے اس قول کا چار ماہ دس دن
الآيَة لينسخ الا عند ابانته	کی مدت کے تعین سے منسوخ ہوا
بوجوبه أربعة أشهر وعشراً	جو اس آیت سے ثابت ہے، تم
(ورق - ۱۱)	میں سے جو لوگ مر جائیں، ان کے
	پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں
	تو وہ اپنے آپ کو چار مہینہ دس دن
	روکے رکھیں، اس آیت سے عدت
	کی سال بھر کی مدت منسوخ ہو گئی،

اس کے علاوہ بھی کئی اور مثالیں لکھی ہیں:-

۲- دوسری قسم یعنی نسخ الکتاب بالسنۃ میں جمہور کا اتفاق ہے، البتہ امام شافعی کو اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک خبر متواتر سے آیاتِ قرآن کی تنسیخ نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں مصنف نے دونوں کے دلائل پیش کئے ہیں، اور مسائل پر پوری بحث کی ہے جو لوگ نسخ الکتاب بالسنۃ کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی گفتگو کرتے تھے، اور جو بھی حکم دیتے تھے، وہ منجانب اللہ ہوتا تھا، اس لئے اگرچہ وہ کلام اللہ میں درج نہیں ہے، لیکن اس کا مرتبہ اس کے برابر ہے، اسلئے سنّتِ متواترہ سے آیتوں کا نسخ ہو سکتا ہے، جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ

[1] سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۴،

صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہم ہی میں سے ایک انسان تھے، اور وہ جو باتیں کرتے تھے وہ بہر حال ایک انسان کی گفتگو ہوتی تھی، اس لئے اس سے آیات کی تنسیخ نہیں ہو سکتی، البتہ جو باتیں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی ہیں، وہ "ناسخ" مانی جا سکتی ہیں، مصنف خود مذہباً حنفی ہیں، اس لئے قدرتی طور پر ان کا جھکاؤ اسی طرف ہے، اور انھوں نے حنفی مسلک کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

(۳) تیسری قسم یعنی نسخ السنۃ بالسنۃ" میں جمہور کا اتفاق ہے کہ خبر متواتر خبر متواتر سے اور خبر واحد خبر واحد سے منسوخ ہو سکتی ہے، لیکن خبر متواتر کا خبر واحد سے منسوخ ہونا عقلاً تو جائز تسلیم کیا جاتا ہے، مگر شرعاً اس میں اختلاف ہے،

فاتفق الجمهور على جواز	خبر متواتر کے خبر متواتر
نسخ الخبر المتواتر بالمتواتر	سے منسوخ ہونے کے جواز پر جمہور
وكذا النسخ الآحاد بالآحاد	علماء کا اتفاق ہے، اسی طرح خبر
كما روى انه عليه السلام حرم زيارة	واحد کا خبر واحد سے نسخ ہے جیسا کہ
القبور ثم نسخ ذالك بقوله	ایک روایت میں ہے کہ نبی صلعم نے
كنت نهيتكم عن زيارة	قبروں کی زیارت حرام فرمائی، پھر
القبور، وكذا النسخ الآحاد	قول آپکے دوسرے قول میں نے
بالمتواتر لكونه اقوى	تم کو زیارت قبور سے روکا تھا سے منسوخ
من الآحاد واما النسخ المتواتر	ہو گیا، اسی طرح خبر واحد کا خبر متواتر
بالآحاد فاتفقوا على جوازه	سے منسوخ ہونا بھی سب کے نزدیک
عقلاً واختلفوا فى وقوعه شرعاً	جائز ہے، اس لئے کہ وہ خبر واحد

نفی وقوعه لا کثرین بخلاف
تخصیص العام فانه یجوز
بالخبر الواحد کما تقرر فی
کتب الاصول"

(ورق ۱۳ ب)

سے قوی ہو لیکن خبر متواتر کے خبر واحد
سے منسوخ ہونے کا جواز عقلاً
سب تسلیم کرتے ہیں، مگر شرعاً اس
میں اختلاف ہے، اکثر لوگوں کے
نزدیک نسخ نہیں ہو سکتا، البتہ
خبر واحد سے عام حکم کی تخصیص جائز
ہے جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مذکور

۴۔ چوتھی قسم یعنی نسخ السنۃ بالکتاب" میں بھی اکثروں کو اتفاق ہے، البتہ کچھ لوگ بعض صورتوں میں اس کا جواز تسلیم کرتے ہیں، بعض صورتوں میں نہیں،

المجوزون استدلوا بان کلّ
واحد من الکتاب والسنة
وحی من اللہ تعالیٰ" وما ینطق
عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ
یوحیٰ"[1] ....
....
....
والمانعون استدلوا بانه لو
جاز لزم تنفیر الناس عن
النبی وعن طاعته لانه

جو لوگ نسخ السنہ بالکتاب کے
جواز کے قائل ہیں، ان کا استدلال
یہ ہے کہ کتاب وسنت اللہ تعالیٰ
کی جانب سے وحی ہیں کلام مجید میں
ہے، کہ آپ اپنی طرف سے کوئی
بات نہیں کہتے تھے، بلکہ وہ وحی
تھی جو آپ پر بھیجی جاتی تھی، ....
وہ لوگ جو کتاب کے ناسخ ہونے
کے قائل نہیں ہیں، اُن کا استدلال
یہ ہے کہ اگر اُس کے جواز کو تسلیم کر لیا

[1] سورۃ النجم آیت نمبر ۳،

توھموا ان اللہ تعالیٰ لو یرض
بما بینه الرسول فلا یحصل
مقصود البعثة"

(ورق ۱۳ ب)

جائے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ
لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی
اطاعت سے دور کیا جا رہا ہے،"
یہ خیال کیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے جو کچھ توضیح فرمائی ہو،
اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں کیا،
اس لئے بعثت کا مقصود حاصل نہ ہوگا

اس سلسلہ میں مصنف نے دو مثالیں بھی پیش کی ہیں، اسکے بعد نسخ کی قسمیں بیان کی ہیں:

اعلموا ان النسوخ فی کتاب
اللہ علی ثلثة اضرب منه
ما نسخ حکمه وخطه و
منه ما نسخ خطه وبقی
حکمه ومنه ما نسخ حکمه
وبقی خطه"

(ورق ۱۴ ب)

بیشک نسخ کتاب اللہ میں تین طرح
کا ہے، ایک وہ جس کا حکم اور تحریر
دونوں منسوخ ہوگئے، دوسرا وہ
جس کی تحریر منسوخ ہوگئی لیکن
حکم باقی ہو، تیسرا وہ جس کا حکم
منسوخ ہوگیا ہو لیکن تحریر باقی
ہو،

ان تینوں قسموں کو الگ الگ تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں، پھر ناسخ ومنسوخ آیات میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ایک آیت کو ناسخ قرار دیتے ہیں، اور بعض اُس کو نہیں مانتے، بعض ایک آیت کو منسوخ کہتے ہیں، دوسرے اس کو نہیں تسلیم کرتے، پھر ان سورتوں کے نام لکھے ہیں، جن

میں آیات ناسخ و منسوخہ ہیں، اُن میں علماء کے اختلافات کا ذکر تو نہیں کیا ہے، لیکن اس کی
طرف اشارہ کر دیا ہے کہ کن کن صورتوں میں اختلاف ہے، خود مصنف کے نزدیک ۲۱۲
آیتیں منسوخ ہوئیں [۱]،

ان مباحث کے بعد اپنی تحقیق تحریر کی ہے اور قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے
اعتبار سے آیات منسوخہ کا تذکرہ کیا ہے، پہلے سورہ کا نام لکھا ہے، پھر اسکے مکی یا مدنی کی تفصیل تحریر کی ہے، پھر اسکے
حروف و کلمات اور سورہ کی کل آیات کی تعداد لکھی ہے، بعض سورتوں میں یہ التزام نہیں ہے،
بلکہ صرف مختصراً ضروری باتیں لکھدی ہیں، پھر اس سورہ کی منسوخ آیات لکھی ہیں،
اور وجہ نسخ تفصیل سے بیان کی ہے، اگر کسی آیت کے نسخ یا اُس کی تفسیر میں کوئی
اختلاف ہے، تو اس کو بھی ظاہر کیا ہے، مصنف کے بیان کے مطابق سورۂ الحمد میں کوئی
آیت منسوخ نہیں ہوئی، سورۃ البقرہ میں تیس آیتیں منسوخ ہوئیں، سورۂ آل عمران
میں نو، سورۃ النساء میں چوبیس [۲۴]، اسی طرح تمام سورتوں کے نام اور اُن کی تفصیل لکھی ہے،
جس سورہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے، اُس کے بھی حروف و کلمات آیات
کی تعداد اور مکی و مدنی ہونے کی تفصیل بیان کر دی ہے،

مصنف کے انداز تحریر کو سمجھنے کے لئے چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں، سورۂ بقرہ
کی آیت فاینما تولوا فثم وجہ اللہ [۲] کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

اختلف المفسرون فی ھذہ	مفسرین کا اس آیت میں اختلاف
الآیۃ منھم من قال اِنّھا	ہے، بعض کہتے ہیں، کہ یہ حکم اللہ [۳]

[۱] ناسخ و منسوخ آیات کی تعداد میں علماء کا بڑا اختلاف ہے منسوخ آیات کی تعداد پانچ سے
لے کر پانسو تک بیان کی جاتی ہے [۲] سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۶، [۳] سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴

منسوخۃ بقولہ تعالیٰ" و	کے قول "وحیث ما کنتم فولوا
حیث ما کنتم فولّوا وجوھکم	وجوھکم شطرہ" سے منسوخ
شطرہ ومنھم من قال	ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت
ان حکم ھذہ الآیۃ لیس	کا حکم منسوخ نہیں ہے، اور یہ آیہ
منسوخ وانما نزلت فی صلوٰۃ	نماز نفل اور نماز سفر کے سلسلہ
النفل والسفر - الاصح انّہ	میں نازل ہوئی ہے، زیادہ صحیح یہ ہے
لیس فی ھذہ الآیۃ منسوخ	کہ اس آیت میں کوئی چیز بھی منسوخ
لانّ التولی الی ایّ جھۃ	نہیں ہے، اس لئے کہ کسی سمت بھی
کانت اذا السماء متغیمۃ	رخ کرنے کا حکم اس وقت کیلئے ہے
وجھۃ المصلی جائز سواءٌ	جب آسمان ابر آلود ہو، نماز پڑھنے
اصاب المصلی او اخطأ ثم	والے کا رخ ٹھیک طرف ہو یا نہ ہو
اختلف المفسرون فی تحویل	دونوں حالتوں میں درست ہے،
القبلۃ من الصخرۃ الی الکعبۃ	صخرہ [۱] سے کعبہ کی طرف تحویل
فی ای شھر کان وفی ایّ	قبلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ
صلوٰۃ کان، قال بعضھم	کس ماہ میں اور کس نماز میں تھا،
فی صلوٰۃ الظّھر یوم الاثنین	بعض کا قول ہے، کہ ظہر کے وقت
النّصف من رجب سبعۃ عشر	دوشنبہ کے دن ....
شھرًا من الھجرۃ، ھذہ	....

[۱] مراد بیت المقدس ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۵ ص ۱۶۶

روایۃ معقل بن یسار و
البراء بن عازب و روی
سعد ابن ابی عروۃ عن
قتادۃ انہ قال حولت
القبلۃ من الصخرۃ الی
الکعبۃ یوم الثلثاء لنصف
من شعبان لثمانیۃ عشرۃ
شہرا من الہجرۃ"

نصف رجب ہجرت کے سترہویں
سال میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا، یہ
معقل بن یسارؓ اور براء بن عازبؓ
کی روایت ہے، اور سعد بن ابی
عروہ قتادہؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ صخرہ سے کعبہ کی طرف تحویل
قبلہ ہجرت کے اٹھارہویں مہینے
بدھ کے دن نصف شعبان میں ہوا

(ورق ۲۴ ب)

سورۂ مومنون کے متعلق لکھتے ہیں:-

"سورۃ المومنون مکیۃ
استثنیٰ منہا "حتی اذا اخذنا
مترفیہم الی قولہ "اذا
ہم فیہ مبلسون" آیاتہا
مایۃ و سبعون[1] وقیل مایۃ
وثمان عشرۃ وقیل تسع
عشرۃ وکلماتہا الف و

سورۃ المومنون حتی اذا اخذنا
مترفیہم" تا اذا ہم فیہ
مبلسون کے سوا مکی ہے، اس
کی آیات کی تعداد ۱۱۷ ہے، بعض
۱۱۸، اور بعض ۱۱۹ بھی کہتے ہیں،
کلمات کی تعداد ۱۰۴۸، اور حروف
کی تعداد ۴۸۰۲ ہے، اس میں دو

[1] غالباً کاتب سے سہو ہوگیا ہے، یہاں سبع عشرۃ ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ ۱۰۰ کی تعداد
کسی طرح بھی ممکن نہیں معلوم ہوتی،

ثمان واربعون وخمسون فیہا
اربعۃ آلاف وثمانمائۃ
واثنان وفیہا من المنسوخ
آیتان ...."

آیتیں منسوخ ہیں،

(ورق ۵۸ ب)

اسی انداز پر مصنف نے تمام منسوخ آیتوں کے متعلق لکھا ہے، اس رسالہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:-

"المفتقر الی رحمۃ اللہ الباری ہو عماد الدین
محمد عارف عرف عبد النبی العثمانی القطاری
نجہ اللہ الانام من الصحائف الاعمال حول الامانی
والامان وبدل سیئاتہ بالحسنات واخطاط .....
...کرم خوردہ..... آمین یا رب العالمین"

یہ کتاب اپنے فن میں ایک مکمل اور مرتب تصنیف ہے، مصنف نے بڑی کاوش سے کتاب لکھی ہے، یوں تو علم ناسخ و منسوخ پر بہت سی کتابیں ہیں، اس کتاب کی خصوصیت ہے، کہ ایک ہندوستانی کی تصنیف ہے، اور اپنے موضوع پر جامع ہے، یہ نسخہ بہت ہی نادر ہے، اس کے کسی دوسرے نسخہ کا پتہ اب تک نہیں چل سکا ہے، غالباً کہیں نہیں پایا جاتا، زبید احمد صاحب نے اس کا نام دستور المصنفین صحیح نہیں لکھا ہے، اور اس کو لاپتہ قرار دیا ہے، کتاب کے خاتمہ پر داہنی طرف ایک مہر ہے جو پڑھی نہیں جا سکی، اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مصنف کے سودہ سے ۱۰۲۷ھ میں نقل کیا گیا ہے، دوسری طرف غالباً کاتب کی تحریر ہے،

پورنیہ (بہار) کے دو مربیانِ علم

نواب صولت جنگ و شوکت جنگ

از

جناب اکمل صاحب یزدانی جامعی ایم۔ اے،

بہار بنگالہ میں مسلمانوں کی حکومت کا قیام اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی (از ۵۹۰ھ تا ۶۰۲ھ) کے ذریعہ عمل میں آیا، غالباً یہ پہلا شخص تھا، جس نے کوچ بہار ہوتے ہوئے تبت پر فوجکشی کی، اُس نے ندیا کو تباہ کیا، اور لکھنوتی (گوڑ) کو اپنا دار السلطنت بنایا، بختیار خلجی کی ۱۲ سالہ اور اس کے بعد ملک عز الدین خلجی کی ۸ ماہ کی حکومت کے بعد علی مردان خلجی بنگالہ پر قابض ہوا، علی مردان خلجی (۶۰۵ھ / ۱۲۰۷ء تا ۶۰۸ھ / ۱۲۱۱ء) کے مارے جانے پر حاکم لکھنوتی حسام الدین عوض حسین، ملقب بہ سلطان غیاث الدین عوض حسین خلجی (۶۰۸ھ / ۱۲۱۰ء تا ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء) نے اپنا لقب سلطان غیاث الدین رکھا، اور خطبہ و سکہ جاری کرکے اڑیسہ اور ترہٹ پر چڑھائی کی،[1] اُسی کے عہد میں مسلمانوں کے حدود حکومت میں قدرے وسعت ہوئی، اور غالباً اُسی زمانہ میں پورنیہ کا خطہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آیا، لیکن اس کے اتری حصے مسلمانوں کے تسلط سے باہر رہے، اور ان پر مورنگ کے راجاؤں کا قبضہ رہا، مغلیہ حکومت کے قیام

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۳،

کافی عرصہ کے بعد مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی، اور قلعۂ جلال گڑھ اُتری سرحد قرار پایا،[1] اسی طرح اس ضلع کا پچھمی حصہ یعنی علاقۂ بیرنگر سیف خاں فوجدار پورنیہ پسر میرزا جان عمدۃ الملک عالمگیری کے عہد (۱۷۲۲ء) میں سلطنت مغلیہ میں ملا لیا گیا،[2]

پورنیہ بنگالہ کا سرحدی خطہ تھا، اس کا انتظام فوجداروں کے ذریعہ ہوتا تھا، جو بڑی حد تک خود سر ہوتے تھے، سترہویں صدی عیسوی کے قبل کے فوجداروں کا پتہ نہیں چلتا، راجگان کھگڑہ (کشن گنج پورنیہ بہار) کے خاندانی حالات سے آشنا اور پتہ چلتا ہے کہ شیر شاہ اور ہمایوں کے درمیان بنگالے میں جو جنگ ہوئی تھی، اس میں راجگانِ کھگڑہ کے مورث اعلیٰ سید خاں دستور نے ہمایوں کی فوجی مدد کی تھی،[1] اس کے صلے میں اس نے (۹۶۲ھ / ۱۵۴۵ء) میں بطور انعام سید خاں دستور کو پرگنہ سرجا پور کی زمینداری اور قانون گوئی کا خطاب عطا کیا تھا،[3]

عہد مغلیہ میں ضلع پورنیہ ایک بڑی عسکری سرحدی سرکار (Greatmilit-ary Fuontlier Proince) رہا، اس کے انتظام اور انصرام کے لئے ایک فوجدار کا تقرر ہوتا جو صوبہ دار بنگالہ کا برائے نام ماتحت ہوتا تھا، اس کی آمدنی کا کوئی حساب کتاب اُن کو نہ دینا پڑتا تھا، اور پورنیہ کا بیشتر حصہ ان کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا، کہ اس کی آمدنی سے وہ اپنی نجی اور فوجی مصارف کی کفالت کر سکیں،[4]

سترہویں صدی عیسوی کے اخیر میں استوال خان پورنیہ کا فوجدار مقرر ہوا، اس کو

[1] ریاض السلاطین ص ۴۴ و رپورٹ فرانسس بکانن (پورنیہ) ص ۴۳ [2] ریاض السلاطین ص ۴۲۳، [3] منتخب لیبر (تاریخ راجگان کھگڑہ مؤلفہ خواجہ فدا علی و بنگال گزیٹیر پورنیہ اوملی صاحب ص ۳۵ [4] بنگال ڈسٹرکٹ گزیٹیر (پورنیہ) اومالی صاحب ص ۱۲۵،

نواب کا خطاب بھی دیا گیا، اور سرحدی فوج کا سپہ سالار اور اس ضلع کے خزانے کا عامل بنا کر بھیجا گیا، پھر عبداللہ خان اسفندیار خاں (۱۶... ھ) بہمن یار خاں (... ۱۱۶۹ ...) سیف خان پسر امیر خان، عمدۃ الملک عالمگیری، (۱۷۲۲ء تا ۱۷۵۰ء) صولت جنگ (برادر زادہ و داماد علی وردی خان مہابت جنگ،) شوکت جنگ وغیرہ تقریباً اٹھارہ[۱] فوجداروں نے ۱۷۷۰ء تک اس ضلع پر حکومت کی، پورنیہ کا آخری فوجدار محمد علی تھا، جس کے ہاتھوں سے مسٹر ڈوکیرل نے پورنیہ کی حکومت کی باگ ڈور لی[۱]،

ان فوجداروں نے علمی و ادبی خدمات بھی انجام دیں، اس سلسلے میں بعض فوجداروں کی خدمات بہت گراں قدر ہیں، صولت جنگ فوجدار پورنیہ اور ان کے خلف شوکت جنگ فوجدار پورنیہ علم و ادب کے بڑے قدرداں اور سرپرست تھے، صاحب شعر الہند نے ان کا ذکر بیان سخن کے ذیل میں کیا ہے[۲]،

زیر نظر مقالہ میں ان دونوں فوجداروں کے حالات اور ان کی علمی و ادبی خدمات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے،

میرزا محمد بکاول اعظم شاہ خلف اورنگ زیب عالمگیر کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام حاجی احمد اور دوسرے کا میرزا بندی یا محمد علی تھا، جو بعد میں علی وردی خاں مشہور ہوا - حاجی احمد بڑا تھا، اور مرزا بندی چھوٹا، جب مرزا محمد مرگیا، تو حاجی احمد محمد اعظم شاہ پسر اورنگ زیب کے دربار میں بکاولی اور جواہر خانہ کی داروغگی کے منصب پر سرفراز ہوا، اعظم شاہ کے قتل کے بعد

[۱] رپورٹ فرانسس بکانن (۱۸۰۹-۱۸۱۰) بابت پورنیہ مرتبہ جیکسن ایم اے آئی - ای ایس ص ۵۵ [۲] شعر الہند حصہ دوم، ص ۱۵۴ مؤلفہ مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

جب دلی میں افراتفری مچی تو دونوں بھائی دلی سے دکن کی طرف روانہ ہوئے، اور وہاں سے اڑیسہ آگئے اور شجاع الدولہ (شجاع الدین محمد خاں) نائب ناظم اڑیسہ کی رفاقت میں رہنے لگے، جب شجاع الدولہ کو بنگالہ کی نظامت ملی تو اس نے حاجی احمد کو مشیر تدبیر اور ندیم خاص بنالیا، اور میرزا بندی کو علی وردی خان کا خطاب دے کر چکلہ اکبر نگر کی فوجداری عطا کی[۱]،

حاجی احمد کے چار لڑکیاں اور تین لڑکے تھے، ایک میرزا محمد (محمد رضا) الملقب بہ نوازش خان بہادر شہامت جنگ، دوسرا میرزا محمد سعید الملقب بہ نواب سعید احمد خاں بہادر صولت جنگ، تیسرا میرزا محمد ہاشم الملقب بہ زین احمد خان ہیبت جنگ[۲]، میرزا محمد یا محمد رضا بڑا، میرزا محمد سعید منجھلا، اور میرزا محمد ہاشم چھوٹا لڑکا تھا،

فوجداری رنگ پور وغیرہ ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۲ھ

شجاع الدولہ نے محمد رضا یا میرزا محمد کو بحوترا مرشد آباد کی داروغگی عطا کی تھی، میرزا محمد سعید (صولت جنگ) کو رنگ پور کی فوجداری کے منصب پر سرفراز کیا تھا، اور میرزا محمد ہاشم کو ہاشم علی خاں کے خطاب سے نوازا،

ریاض السلاطین سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاؤ الدولہ سرفراز خان پسر شجاع الدین محمد خاں کی نیابت میں صولت جنگ کو رنگ پور کے علاوہ چکلہ گھوڑا گھاٹ اور کوچ بہار کی فوجداری بھی ملی تھی، اس نے اپنے دور میں راجا کوچ بہار، اور راجہ دیناج پور پر فوج کشی کر کے ان کے علاقے فتح کر لئے، اس مہم میں بڑی دولت ہاتھ آئی، کوچ بہار کی فتح پر حاجی احمد اور علاء الدولہ سرفراز خاں کی سفارش سے خان بہادر

[۱] ریاض السلاطین ص ۹۲-۲۹۳ [۲] مظفر نامہ علی مؤلفہ کرم علی خان ص

خطاب ملا،[1]

صولت جنگ کے باپ حاجی احمد نے جو علاء الدولہ سرفراز خاں کے متعمدین خاص میں تھا، جب سرفراز خان کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کیں تو اس میں صولت جنگ کا بھی ہاتھ تھا،[2]

جب مہابت جنگ (علی وردی خاں) نے ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں سرفراز خاں پر فتح حاصل کی تو سعید احمد خان صولت جنگ کو جو سرفراز خاں کے ماتحت رنگ پور وغیرہ کا فوجدار تھا، اس کے عہدے پر قائم رکھا، اور صمام الدولہ صولت جنگ کا خطاب[3] دیا،

نظامت اڑیسہ

علی وردی خان مہابت جنگ نے جب مرشد قلی رستم جنگ (داماد شجاع الدین محمد خان ناظم بنگالہ بہار و اڑیسہ) پر فوج کشی کی تھی، تو صولت جنگ کو بھی ساتھ لیا تھا، فتح کے بعد ایک ماہ تک اڑیسہ میں رہ کر وہاں کا نظم و نسق درست کر کے صولت جنگ کو اڑیسہ کا صوبہ دار بنایا، اور صمام الدولہ نصیر الملک سعید احمد خان، خان بہادر صولت جنگ کا خطاب[4] دیا،

اڑیسہ کی حکومت میں وہ کامیاب نہ ہوسکا، تھوڑے ہی عرصہ میں رعایا کو اپنا دشمن بنا لیا، اور اس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، علی وردی خان نے اُسے چھڑا کر پناہ دی،

---

[1] ریاض السلاطین ص ۵-۳۰۴ [2] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۱۱۵ [3] نظفر نامہ قلمی ص ۱۵ و سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۱۲۱ ،

[4] ریاض السلاطین ص ۳۲۳ ، و سیر المتاخرین ج ۲ ص ۱۲۵ ،

فوجداری ہوگلی

کٹک کی ناکامی کے بعد صولت جنگ بہت پریشان حال تھا، اسلئے علی وردی خاں مہابت جنگ نے اُسے ہگلی کا فوجدار بنا دیا،[1] رگھوجی اور بالاجی راؤ مرہٹہ کی پیشقدمی کے موقع پر صولت جنگ مہابت جنگ کا شریک رہا،

جنگ محب علی پور اور صولت جنگ

۱۱۵۹ھ (۱۷۴۵ء) میں مصطفےٰ خاں مارا گیا، اور اس کا لڑکا مرتضیٰ خاں سہسرام بھاگ گیا، اور رگھوجی بھونسلا نے اس کی مدد کی، تو مہابت جنگ نے سراج الدولہ (نواسہ) کے علاوہ میر جعفر خاں میرزا شمشیر خاں، سردار خاں و سعید احمد خاں صولت جنگ کو مرشد آباد سے طلب کیا، محب علی پور (عظیم آباد) کی جنگ میں بھی صولت جنگ شریک رہا،[2]

پٹھانوں کی شورش

شمشیر خان اور سردار خان کی شورش کو ختم کرنے کے سلسلہ میں بھی صولت جنگ نے مہابت جنگ کا ساتھ دیا تھا،[3]

صوبہ داری عظیم آباد

۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء میں جب نواب ہیبت جنگ کو پٹھانوں نے قتل کر دیا، تو علی وردی خاں مہابت جنگ نے پٹھانوں کو شکست دی، امن و امان بحال ہونے کے بعد مہابت جنگ سیر و شکار کی غرض سے حاجی پور گیا، اور سعید احمد خان صولت جنگ کو نائب مقرر کر گیا، سراج الدولہ (نواسہ) کو یہ بات نہایت ناگوار گذری، اس لئے علی وردی خاں اپنے چہیتے نواسے کی خواہش کو پوری کرنے پر مجبور ہوگیا، اور صولت جنگ کو جو شدت غم میں شاہ جہان آباد چلے جانے پر آمادہ ہوگیا تھا، سمجھا بجھا کر مرشد آباد دے گیا،

---

[1] احوال مہابت جنگ یوسف علی خان مخطوطہ ص ۶۵ و سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) جلد دوم ص ۸۴

[2] سیر المتاخرین اُردو ترجمہ ج ۲ ص ۸۲-۱۸۱ ،

[3] مظفر نامہ قلمی ص ۲۵ ،

اور سراج الدولہ کو عظیم آباد کا صوبہ دار نامزد کیا، اور لالہ جانکی رام کو اس کا نائب بنایا[1]

فوجداری پورنیہ

مرشد آباد واپس لوٹنے کے بعد علی وردی خاں مہابت جنگ نے نواب سیف خان فوجدار پورنیہ کے مرنے پر صولت جنگ کو پورنیہ کا فوجدار مقرر کیا،[2] یہ اسی سال ۱۱۶۱ھ میں ہوا،

سرپرستی علم و ادب

صولت جنگ علم و ادب کا دلدادہ و سرپرست تھا، علما و فضلا و شعرا و ادبا کی مجلسوں میں بیٹھتا تھا، اکثر کہا کرتا تھا کہ ان صحبتوں کا اس قدر پابند ہو گیا ہوں کہ اگر کسی دن نصیب نہیں ہوتیں، تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی بڑی دولت چھن گئی ہے، اور طبیعت افسردہ رہتی ہے[3]

علما و فضلا، و ادبا و شعرا کی مجلسیں

اس علم دوستی کی بنا پر جب وہ عظیم آباد سے مرشد آباد گیا، اور وہاں سے پورنیہ کی فوجداری پر مامور ہو کر پورنیہ آیا، تو اپنے ساتھ اپنے اعزہ و اقربا کے علاوہ فضلائے عظیم آباد میں سے ملا غلام یحییٰ، میر وحید، مفتی ضیاء اللہ، مولوی لعل محمد، اور میر عبد الہادی روشن وغیرہ کو ساتھ لایا، ان علما کی آمد سے پورنیہ علم و ادب کا مرکز بن گیا، اس کا سلسلہ صولت جنگ کی حیات تک جاری رہا، ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء میں پورنیہ ہی میں اس نے وفات پائی[4]

صولت جنگ بڑا پابند اوقات تھا، اپنے فرائض منصبی کے علاوہ پابندی سے علما و فضلا کی مجلس میں بیٹھتا، اور علمی و ادبی بحث و مباحثہ میں حصہ لیتا، غلام حسین طباطبائی صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۲۰۹، [2] ایضاً ص ۲۱۳، [3] ایضاً ص ۲۴۵

[4] " " " ص ۲۵۳

"ظہر کی نماز ادا کر کے ایک جزء قرآن کی تلاوت کرتا، بعد عصر نماز کے باہر آتا، اس مجلس میں علما و فضلا، مانند ملا غلام یحییٰ، مفتی ضیاء اللہ، میر وحید مولوی لال محمد، شیخ ہدایت اللہ، سید عبد الہادی روشن حاضر ہوتے، دو گھڑی نجوم تک تذکرۂ علمی ہوتا، اور ایک مخصوص کتاب بطور درس کے پڑھی جاتی، ملا غلام یحییٰ اس کے مشکلات حل کرتے، اور لوگ بھی گفتگو اس مقدمہ میں کرتے تھے، مقرر فرماتا تھا کہ اس قدر اس کا پابند ہوا ہوں کہ اگر کسی دن میسر نہ آئے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے، شاید کوئی بڑی دولت چھن گئی ہے، خاطر مشوش رہتی ہے[1]"

غلام حسین طباطبائی کا پورنیہ میں قیام

غلام حسین خاں طباطبائی صاحب سیر المتاخرین بھی صولت جنگ کے دامن دولت سے وابستہ تھے، اور شوکت جنگ کے عہد تک (تقریباً، سال تک) پورنیہ میں رہے، صولت جنگ کے مقربین خاص میں تھے، اس نے ان کو پرگنہ سری پور کی زمینداری عطا کی تھی[2]، نواب صولت جنگ کی موت کے بعد بھی غلام حسین شوکت جنگ خلف صولت جنگ کے دربار سے وابستہ رہے،

سراج الدولہ اور شوکت جنگ کے درمیان بلدیہ باڑی (منہاری) میں جو جنگ ہوئی، اس میں بھی غلام حسین شریک تھے، اور شوکت جنگ کی شکست اور قتل کے بعد بھی کچھ عرصہ پورنیہ میں رہے، جب دار و گیر شروع ہوئی تو بذریعہ کشتی

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲، ص ۲۴۵،

[2] " " " " ص ۲۴۳،

عظیم آباد چلے گئے۔ [۱]

کرم علی خاں مؤلف مظفر نامہ اور پورنیہ

کرم علی خاں مؤلف مظفر نامہ بھی جو علی وردی خاں مہابت جنگ کے وابستگانِ دولت میں تھا، صولت جنگ و شوکت جنگ کی قدر افزائی سے محروم نہ رہا، اُس کو بھی یہ دونوں برابر نوازتے رہے، صولت جنگ نے اس کو گھوڑا گھاٹ کا فوجدار بھی مقرر کیا تھا، اسی تعلق کی بنا پر اُس کو شوکت جنگ کے قتل کے بعد اُنیس دن تک پورنیہ میں قید رہنا پڑا، اور گھوڑا گھاٹ کی فوجداری سے دست بردار ہونا پڑا۔ [۲]

میر عبد الہادی روشن

میر عبد الہادی صاحب دیوان تھے، پورنیہ میں صولت جنگ کے دربار سے وابستہ تھے، اور پورنیہ ہی میں صولت جنگ کی موت کے صدمے سے اسی دن ان کی موت واقع ہوئی،

صاحب سیر المتاخرین رقم طراز ہیں،

" میر عبد الہادی روشن تخلص جو صاحبِ دیوان تھے، اور نظم و نثر میں مہارت تام اور علم عربی کو خوب جانتا تھا، بمجرد ملاحظہ اس کے حال کے غشی طاری ہوئی، خواجہ سراؤں نے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا اور مردم بالا کو بلا کر اُن کے گھر واپس کر دیا، پھر چند پہر اسی غشی میں گذرے تین پہر یا چار پہر رات گذری ہوگی کہ وہ صاحب کمال بھی جان نثار ہوا، اللھم اغفر لہ وارحمہ [۳]

[۱] سیر المتاخرین اردو ج ۲ ص ۸۰ - ۲۰۵، [۲] قلمی تاریخ مظفر نامہ ورق ۵۵، [۳] ״ ״ ״ ص ۲۵۳،

" سید مذکور کا مولد جہانگیر نگر بنگالہ تھا، شاہ جہان آباد میں نشو و نما پائی، اور وہیں علوم متداولہ کی تحصیل کی، رغبت نظم و نثر کی ہوئی، مورخ والد نے دو چھوٹے بھائیوں سید علی خاں اور غالب علی خاں کو تعلیم کے لئے شاہ جہان آباد سے عظیم آباد روانہ کیا، جب ہیبت جنگ نے سید علی خاں کو اپنی مصاہرت سے سرفراز کیا، سید مذکور کو اپنا ملازم بنایا، اور بعد کشتہ ہونے ہیبت جنگ کے صولت جنگ نے اپنی رفاقت میں بلایا، اور جملہ فضلائے عظیم آباد میں جن کا ذکر بالا ہو چکا اُسے بھی قبول کیا، ہمیشہ خلوت نشیں اور ناقص طبیعتوں کی آمیزش سے دور رہتا، اکثر لوگوں سے کم آمیزش رکھتا، اور فکر شعر و سخن میں بسر کرتا، عظیم آباد اور پورنیہ میں جب یک زندہ رہا، فقیر حقیر سے ہمکلام رہا کہ ہماری تمہاری شش اس شش سے موافق ہے، اگر تو نہ رہے، تو میرے شعر میں معنی نہ رہیں گے؟ [۱]

میر باقر حزیں

بعض تذکروں سے پتہ چلتا ہے، کہ میر باقر حزیں شاگرد میرزا مظہر جان جاناں کو بھی نواب صولت جنگ کی رفاقت حاصل رہی ہے،

صاحب شعر الہند لکھتے ہیں :-

" میر باقر حزیں نے نواب سید احمد خان صولت جنگ کی رفاقت میں نہایت عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کی ہے،"

(شعر الہند ص ۴۵۱)

مؤلف گلشنِ ہند رقم طراز ہیں :-

[۱] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۲۵۲،

"رفیق تھے نواب بافرہنگ سید احمد خاں صولت جنگ کے۔
زندگی بسر کی ہے انھوں نے ساتھ رعایت تمام ڈھنگ کے،"

(گلشن ہند ص ۸۲)

بعض تذکروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ میر باقر حزیں صولت جنگ کی رفاقت میں پورنیہ میں بھی رہے تھے،

صولت جنگ ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۹ھ پورنیہ کا فوجدار رہا، نکات الشعراء میں جس کا سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ ہے، حزیں کے متعلق "بہ بنگالہ رفت" درج ہے،

(نکات الشعراء ص ۱۰۷)

تذکرۂ میر حسن میں بھی حزیں کے بارہ میں "از مدتے بہ بنگالہ رفت" ہی درج ہے،

نواب شوکت جنگ نواب صولت جنگ کی موت کے بعد اس کا لڑکا شوکت جنگ جانشین ہوا[1]، اس کے نانا علی وردی خاں مہابت جنگ فرمانروائے بنگالہ بہار واڑیسہ نے سارا پورنیہ اس کو جاگیر میں دیدیا تھا، ۹ رجب ۱۱۶۹ھ[2] کو مہابت جنگ بھی مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر چل بسا، تو سراج الدولہ اس کا جانشین ہوا، سراج الدولہ اور شوکت جنگ دونوں خالہ زاد بھائی تھے، سراج الدولہ کو شوکت جنگ سے خطرہ تھا اسلئے باڑی (ضلع پورنیہ) میں دونوں کی جنگ ہوئی، شوکت جنگ ۱۶ اکتوبر ۱۷۵۶ء کو مارا گیا، اور پورنیہ ہی میں دفن ہوا[3]، باپ کی طرح یہ بھی علماء و فضلاء کا قدرداں تھا، چنانچہ صاحب سیر المتاخرین غلام حسین، اس کی رفاقت میں بھی رہے، اور بلدیہ باڑی کی جنگ میں شرکت کی[4]، جب

[1] سیر المتاخرین اردو (ترجمہ) ج ۲، ص ۲۵۴، [2] سیر المتاخرین اردو ج ۲ ص ۲۵۵، [3] تاریخ مظفر نامہ قلمی ورق (۵۵) [4] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۲۸۱ - ۲۸۴

شوکت جنگ مارا گیا، تو اس وقت غلام حسین اس کے ساتھ تھے، شوکت جنگ کے قتل کے بعد بھی کچھ عرصہ تک پورنیہ میں رہے[1]،

ہیبت قلی خاں حسرت ہیبت قلی خاں حسرت عظیم آبادی، شاگرد میرزا مظہر جان جاناں بھی نواب شوکت جنگ کے رفیق تھے، صاحب شعرا الہند نے شوکت جنگ کا ذکر بھی مُربیانِ سخن کے ضمن میں کیا ہے، گلشن ہند میں اُن کے متعلق ہے،

"حسرت تخلص، ہیبت قلی خاں لقب، ساکن عظیم آباد کے شاگرد میرزا جانِ جاناں مظہر کے تھے، چند روز انھوں نے رفاقت نواب شوکت جنگ کی خلف نواب صولت جنگ ناظم پرگنہ کے تھے، کی ہے،

(گلشن ہند ص ۸۷، ۸۶)

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲، ص ۲۸۵،

ایک تعارف

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

"سید صدیق حسن صاحب مرحوم نے تاریخ اسلام کے چند سبق آموز اور ولولہ انگیز واقعات کو نظم کیا تھا، ان کو وہ کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتے تھے، اور اُس کا تعارف مجھ سے لکھوایا تھا، مگر اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اُن کا انتقال ہوگیا، اور اُن کی یہ نظمیں اور تعارف میرے پاس پڑا رہ گیا، اب شاہد کہ یہ نظمیں شائع ہوگئی ہیں، مگر اس میں تعارف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے، اُن کے بعد کہیں ضائع ہوگیا، اتفاق سے پُرانے کاغذات میں اس پر نظر پڑ گئی، اس لئے مرحوم کی یادگار کے طور پر اس کو شائع کیا جاتا ہے"،

قوموں اور ملتوں کے بلند اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت و شہامت، ہمت و حوصلہ مندی، غیرت و حمیت اور حریت و آزادی کو ابھارنے اور اُن میں قومی عز و شرف کا احساس اور ملی سربلندی کا جوش و ولولہ پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو ان کا باعظمت ماضی اُس کی شاندار تاریخ اور اُس کے اسلاف کے قابلِ فخر کارنامے یاد دلائے جائیں، اور اس کا سب سے موثر ذریعہ نظم ہے، نظم بلکہ کبھی کبھی ایک شعر وہ کام کر جاتا ہے جو

بڑی بڑی تقریروں اور تحریروں سے انجام نہیں پاسکتا، اس لئے دنیا کی تمام قوموں نے قومی جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے نظم کو وسیلہ بنایا ہے، عرب جاہلی کے شعرا اپنی آتش نوائی سے قبائل میں آگ لگا دیتے تھے، اور اپنی سحر بیانی سے اُن کی قسمتیں اور جنگ کا نقشہ پلٹ دیتے تھے، جنگ کے موقع پر جو فخریہ اشعار پڑھے جاتے تھے، اُن کی ایک مستقل صنف ہی بن گئی تھی، جو رجز کہلاتی تھی، بلکہ اونٹوں کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے بھی شعر ہی سے کام لیتے تھے، جو حُدی کہلاتی تھی، عرفی کا مشہور شعر ہے۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی ۔۔۔ حدی آمیز تر می خواں چو محمل را گران بینی

حضرت امیر معاویہؓ کا بیان ہے، کہ جنگ صفین کے موقع پر لیلۃ الہریر کے سخت معرکے میں صرف عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے مجھ کو ثابت قدم رکھا، عربوں نے ایرانیوں کے فخر و غرور کو خاک میں ملا دیا تھا، مگر شاہنامہ نے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا، فردوسی کہتا ہے،

بسے رنج بردم دریں سال سی ۔۔۔ عجم زندہ کردم ازیں پارسی

تاریخ میں ایسے سیکڑوں واقعات ہیں، کہ شاعری نے قوموں کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی، اور فتح کو شکست اور شکست کو فتح سے بدل دیا، اور مسلمانوں کی تاریخ تو ایسے کارناموں سے معمور ہے جن کے ذریعہ آج بھی اُن میں قومی و ملی حرارت اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کے دوبارہ حصول کا جوش و جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے، اردو میں سب سے پہلے مولانا حالی نے مشہور مسدس کے ذریعہ مسلمانوں میں اُن کی زبون حالی کا احساس پیدا کر کے اُن کو بیدار کرنے کی کوشش کی، مولانا شبلی نے اُن کی عبرت و بصیرت کے لئے تاریخ اسلام کے بہت سے موثر اور سبق آموز واقعات نظم کئے، اور اقبال نے تو اپنی شاعری کو کارزارِ حیات کی تلوار اور میدانِ جنگ کی تکبیر بنا دیا، اور یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے، کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی

ملّی بیداری میں سب سے زیادہ حصہ اقبال کی شاعری کا ہے،

مسلمانوں کے عہدِ زریں کے کارناموں میں ایک قابلِ فخر کارنامہ اندلس کی فتح بھی ہے، اس کو انھوں نے نہ صرف حیرت انگیز طریقے سے فتح کیا، بلکہ یہاں ایسی شاندار حکومت قائم کردی، جو اپنے دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے زیادہ متمدن حکومت تھی، اور صدیوں تک علم و تہذیب کا مرکز رہی، اسی کے ذریعہ علم و تہذیب کی روشنی یورپ میں پھیلی لیکن مسلمانوں کی تاریخ کا یہ بڑا افسوسناک واقعہ ہے کہ جس عظمت و شان کی یہ حکومت تھی ویسے ہی اس کو زوال بھی آیا، اور آج اسپین میں جس کا چپہ چپہ اسلامی تہذیب کا مدفن ہے، اسلام کا ایک نام لیوا بھی باقی نہیں ہے، اس لئے اندلس کی فتح اور اسلامی اندلس کے عروج و زوال میں مسلمانوں کے لئے بڑا سامانِ عبرت ہے، جس سے آج بھی وہ سبق حاصل کرسکتے ہیں،

سید صدیق حسن صاحب آئی سی ایس، ممبر بورڈ آف ریونیو محض ایک بڑے عہدہ دار ہی نہیں بلکہ "مردِ مومن" بھی ہیں، ان میں دینی احساس بھی ہے، قومی غیرت و حمیت بھی اور اپنی تاریخ و تہذیب و روایات سے وابستگی بھی ہے، اور وہ اردو شعر و ادب کا بھی ستھرا مذاق رکھتے ہیں، خود بھی خوشگو شاعر ہیں، مگر ان کی شاعری محض تغزل کے چنگ و رباب تک محدود نہیں، بلکہ اس سے انھوں نے شمشیر و سنان اور کاروانِ ملت کی حدی خوانی کا بھی کام لیا ہے، چنانچہ اسلامی اندلس کی تاریخ کے تین اہم واقعات پر نہایت موثر نظمیں لکھی ہیں "تاریخ جد و جہد اندلس" "عبد الرحمن الداخل" اور "امیر عبد الرحمن بن عبد اللہ غافقی"، ان تینوں واقعات کا پس منظر یہ ہے،

اندلس کی فتح مسلمانوں کی اولو العزمی، ہمت و حوصلہ مندی اور جرأت و بسالت کا

ایک شاندار کارنامہ ہے، ایک نوجوان فوجی افسر طارق بن زیاد شمالی افریقہ سے اٹھتا ہے، اور کل سات ہزار فوج لے کر سمندر کو عبور کرکے ایک اجنبی ملک اندلس، کے ساحل پر اترتا ہے، اور اس عزم کے ساتھ کشتیوں کو نذرِ آتش کر دیتا ہے، کہ یا وہ اسپین کی سرزمین پر اسلام کا جھنڈا نصب کرے گا، یا ہمیشہ کے لئے اسی کی خاک کا پیوند ہو جائے گا اور پورے اعتماد کے ساتھ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ

ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

دوسری طرف اسپین والوں کا اپنا ملک ہے، ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں ہیں، اسپین کے سرداروں کی متحدہ فوجیں ہیں، لیکن یہ با ہمت نوجوان ان سب کو زیر کرکے پورے اسپین کو فتح کرلیتا ہے، اور جنوبی فرانس کی سرحد دریائے رڈونہ تک بڑھتا چلا جاتا ہے اور جس لوڈن کو فتح کرکے دم لیتا ہے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دمشق کی اموی حکومت کو ختم کرنے کے بعد عباسیوں نے اموی خاندان کے بیشتر افراد کو چن چن کر قتل کر دیا تھا، صرف وہ لوگ بچ سکے جو کسی طرح بھاگ نکلے، ان میں ایک عبد الرحمن الداخل بھی تھا، یہ دمشق سے بھاگ کر شمالی افریقہ پہنچا، اور یہاں کے بربر قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اندلس پہونچ گیا، اس وقت یہاں عرب سرداروں میں خانہ جنگی برپا تھی، ہر طرف انتشار کا دور دورہ تھا، عربوں کی قوت پارہ پارہ ہو رہی تھی، اور اس کا خطرہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اجنبی ملک پر قابض ہو جائیں، ان نازک حالات میں عبد الرحمن الداخل نے بڑے تدبر و ہوشمندی اور بہادری سے حالات پر قابو حاصل کر لیا، اور دمشق سے بنی امیہ کے اکھڑے ہوئے قدم اندلس میں جم گئے، اس وقت سے اندلس کی تاریخ کا وہ تابناک دور شروع ہوا جس سے بنی امیہ کی پوری تاریخ روشن ہے، اس لحاظ سے عبد الرحمن الداخل کا دور

نہ صرف خاندان بنی اُمیہ بلکہ اس دور کے دنیا کے فرمانرواؤں میں نہایت بلند ہے،

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ یزید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں امیر سمح بن مالک خولانی نے فرانس
پر فوج کشی کی، اور سرحد کی نارمن ریاست کو مطیع بنا کر ڈیوک آف ایکی ٹین کے پایۂ تخت طلوشہ
(ٹولوس) کا محاصرہ کرلیا[1]، ڈیوک نے پوری قوت سے مقابلہ کیا، امیر سمح جوش شجاعت میں
دشمن کی صفوں میں گھس گئے، اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، اُن کی شہادت کے بعد مسلمان شکست
کھا گئے، اور اُن کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی، باقی ماندہ تباہ حال فوج کو امیر
عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی بڑی ہوشیاری اور بہادری سے بچالائے، جو اُن کا بڑا کارنامہ تھا
اس کے بعد اندلس کے مختلف امراء وقتاً فوقتاً فرانس پر حملے کرتے رہے ۱۱۳ھ میں
ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں اندلس کی حکومت پر امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کا تقرر
ہوا، یہ جس درجہ کا سپہ سالار تھا، اسی درجہ کا مدبر اور منتظم بھی تھا، اُس نے اندلس کا اندرونی
نظم ونسق درست کرنے کے بعد ۱۱۵ھ میں بڑے اہتمام سے فرانس پر فوجکشی کی، اور سب
پہلا مقابلہ ڈیوک آف ایکی ٹین سے ہوا، امیر عبدالرحمن اس کو شکست دے کر بورڈیو تک
بڑھتے چلے گئے، اور اُس پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد شمالی فرانس کا رُخ کیا، ڈیوک کی فوجوں
نے پھر دریائے ڈاردون پر روکنے کی کوشش کی، مگر امیر عبدالرحمن نے پھر شکست دی، اور
آگے بڑھ کر پاٹی ٹیرس پر قبضہ کرلیا، اور سینٹ ہلاری کے مشہور گرجے کی بے کراں دولت

[1] فرانس میں اس زمانہ میں دو حکومتیں تھیں، جنوب میں گاتھ فرمانروا ڈیوک آف ایکی ٹین
کی اس کا پایۂ تخت ٹولوس تھا، دوسری حکومت شمال میں میرو ونجی خاندان کی تھی، یہ فرانس
کی مرکزی حکومت تھی، اس کا فرمانروا برائے نام تھا، حکومت کے تمام اختیارات چارلس
مارٹل کے ہاتھوں میں تھے، ان دونوں میں ہمیشہ رشک ورقابت رہتی تھی،

اُن کے ہاتھ آئی،

اس کے بعد ڈیوک آف ایکی ٹین کے پایۂ تخت طلوشہ کا رُخ کیا، ڈیوک نے جب دیکھا کہ
اس سیلاب کا روکنا اُس کے بس سے باہر ہے، اور امیر قلب فرانس تک پہنچنا چاہتا ہے، تو اُس نے
مجبور ہو کر اپنے حریف چارلس مارٹل سے مدد مانگی، شمالی فرانس میں مسلمانوں کی پیشقدمی خود
چارلس مارٹل کے لئے خطرناک تھی، اس لئے وہ نہ صرف خود مدد دینے کے لئے آمادہ ہوگیا بلکہ
مسلمانوں کے حملہ کو قومی مسئلہ بنا کر پورے فرانس، پرتگال اور جرمنی کو بھی اُن کے مقابلہ کے
لئے آمادہ کرلیا، اور اُن کی متحدہ فوجوں کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلا، طلوشہ کے میدان میں دونوں
کا سامنا ہوا، امیر عبدالرحمن نے بڑی شجاعت وپامردی سے مقابلہ کیا، مگر دونوں کی قوت میں
کوئی تناسب نہ تھا، ایک طرف اندلس کے مٹھی بھر مسلمان تھے، دوسری طرف فرانس، پرتگال
اور جرمنی کی متحدہ فوجیں تھیں، اس لئے کئی خونریز معرکوں کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی، امیر
عبدالرحمن لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اور ایک عرصہ کے لئے فرانس میں مسلمانوں کی فوج کشی
رُک گئی،

یورپ کے مؤرخین اس واقعہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اور چارلس کی کامیابی کو اس کا
بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں، اسی کے بدولت اس کو مارٹل یعنی ہتھوڑے کا خطاب ملا، اور اس
میں کوئی شبہ نہیں، کہ اگر مسلمان اس حملہ میں کامیاب ہوگئے ہوتے، تو نہ صرف فرانس پر اُن کا
قبضہ ہوجاتا، بلکہ پورے مغربی یورپ کی تاریخ بدل جاتی،

سید صدیق حسن صاحب نے ان تینوں واقعات کو بڑے مؤثر انداز میں نظم کیا ہے، اور ان
نظموں میں محض واقعہ نگاری نہیں ہے، بلکہ وہ قومی وملی روح سے بھی معمور ہیں، اور اُن کے
اخلاقی اور سبق آموز پہلوؤں کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے، اندلس کی فتح کے

سلسلہ میں یورپین مورخین نے مسلمانوں، طارق بن زیاد اور اس کے افسر اعلیٰ موسیٰ بن نصیر والی افریقیہ کے تعلقات کے بارہ میں جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں، پہلی نظم کے مقدمہ میں مصنف نے ان کی پوری تردید کی ہے، یوں تو یہ تینوں نظمیں بڑی سبق آموز ہیں، لیکن ان کے خاص خاص حصے بڑے موثر ہیں، ان کے اقتباسات طویل ہوں گے، اس لئے ان کو نقل نہیں کیا گیا ہے، نظموں کے مطالعہ سے ناظرین کو اس کا خود اندازہ ہو جائے گا،

طویل اور واقعاتی نظموں میں شعری اور ادبی پہلوؤں کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے، لیکن مصنف ایک قادر الکلام شاعر ہیں، اس لئے شاعرانہ خوبیوں کا دامن بھی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، باقی اتنی طویل نظموں میں اگر کہیں کوئی فرد گذاشت ہوگئی ہو تو ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں لائق التفات نہیں۔

عزیزانِ ندوہ کے نام

دار العلوم ندوۃ العلماء میں توسیعی خطبات کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے، اس کی پہلی کڑی اردو زبان کے مشہور صاحب طرز انشاپرداز و نقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی کا یہ پہلا خطبہ ہے، یہ گرانقدر فکر انگیز خطبہ علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے مشعل راہ اور ان دردمندانِ ملت کے لئے جن کو ہمہ وقت ملت کی فلاح و بہبود کی فکر رہتی ہے، پیام نو ہے، اس میں ملک کی دو اہم تعلیمی تحریکوں یعنی دیوبند اور علی گڑھ کے تعارف کے ساتھ اس ملک کی سب سے زیادہ جاندار اور انقلاب آفریں تعلیمی تحریک ندوۃ العلماء کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، خطبہ اردو کے صاحب طرز ادیب و مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادی صاحب صدق جدید کے صدارتی کلمات اور مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کی افتتاحی تقریر سے مزین ہے، ۱۳۰ صفحے، قیمت عہ پتہ:۔ ناظم جمعیۃ الاصلاح دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ (ر، ی)

تحفۃ الواصلین

ایک نایاب تذکرہ

از

جناب محمد اقبال صاحب، (لاہور)

راقم الحروف عرصۂ دراز سے زیب عنوان تذکرے کی تلاش میں ہے، لیکن تلاش بسیار کے باوجود ابھی تک کسی کتاب خانے کی فہرست میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، بہت سے ارباب علم و تحقیق سے بھی دریافت کیا، مگر کسی سے پتہ نہ چلا، یہاں اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے متعلق کچھ کہنا ہے، ممکن ہے اس کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں،

رائے بہادر کنھیا لال اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:۔

"شیخ احمد زنجانی نے رسالہ تحفۃ الواصلین ۴۳۵ھ عہد سلطان مسعود غزنوی میں بمقام لاہور اس شہر (لاہور) کے علماء و فضلا کے حال میں لکھی ہے[1]"

کنھیا لال کے اس بیان پر بھروسا کرتے ہوئے، ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس تذکرے

[1] تاریخ لاہور ص و مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۸۴ء،

کو ۳۵ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔[۱]

تعجب ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس بیان پر کس طرح اعتماد کر لیا، یہ بیان نہ صرف غیر تحقیقی بلکہ مضحکہ خیز ہے،

کنھیا لال حضرت ذکی کے حالات کے زمرے میں لکھتے ہیں،

"تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے، کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا، اور اس دروازے (ذکی) کی حفاظت اُس کے ذمے تھی۔[۲]

لاہور پہلی مرتبہ ۶۳۹ھ م ۱۲۴۱ء میں ملک معزالدین بہرام شاہ کے عہد میں منگولوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا۔[۳] شہر پر قبضہ کرنیکے بعد انھوں نے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا، اس قتل و غارت میں وہ شہدا بھی شامل ہیں، جن کی قبریں "مزارات شہید گنج" محلہ سادھواں میں واقع ہیں، ان کا ذکر بھی "تحفۃ الواصلین" میں موجود ہے۔[۴]

"تحفۃ الواصلین" میں حضرت ذکی کی شہادت کا ذکر (قریباً ۶۳۹ھ) اس کی بین دلیل ہے کہ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کی تصنیف ہے،

لاہور کے مشہور محقق مفتی غلام سرور لاہوری نے جن کے پاس یہ تذکرہ موجود تھا، اپنی تصانیف میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے، انھوں نے سید شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری کے حالات تحفۃ الواصلین ہی سے نقل کئے ہیں، جن کی وفات ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے۔[۵] اس سے ثابت ہوا کہ

۱؎ ملاحظہ ہو مقالہ "لاہور کی وجہ تسمیہ" در نقوش" لاہور نمبر، ۲؎ تاریخ لاہور، ص ۱۶۷، ۳؎ ملاحظہ ہو طبقات ناصری (انگریزی) مترجم ایچ۔ جی۔ ریورٹی، جلد اول ص ۶۵۵، سید یحیٰی سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی ص ۳۱، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء ۴؎ حدیقۃ الاولیا، مفتی غلام سرور لاہوری ص ۱۵۴ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۷ء، ۵؎ خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۲۵۵

یہ تذکرہ ۶۱۲ھ کے بعد لکھا گیا، خزینۃ الاصفیاء ہی میں سید اسحاق گازرونی لاہوری کے حالات کے ضمن میں مفتی صاحب لکھتے ہیں،

"ایں قطعہ درج رسالہ تحفۃ الواصلین است قطعہ

سید اسحاق ولی کریم	گشت چو زیں دہر بجنت مقیم
سال وصالش عجب آورد دل	بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷۸۶ھ

اس قطعہ کے "تحفۃ الواصلین" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں آٹھویں صدی ہجری کے بزرگوں کا ذکر بھی موجود ہے، اس لئے اس کو ۳۵ھ کی تصنیف نہیں کہا جا سکتا، رہا یہ سوال کہ اس تذکرے کا مصنف کون ہے؟..... اس باب میں کچھ کہنا اس وقت ممکن نہیں ہے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو، عہد حاضر کے مشہور محقق جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

"میرا اپنا خیال ہے کہ شیخ احمد زنجانی کی طرف یہ تصنیف منسوب کرنا صحیح نہیں"

(مکتوب جناب صباح الدین صاحب)

(۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء)

(بقیہ حاشیہ) مطبوعہ ثمر ہند پریس لکھنؤ ۱۸۷۳ء

ادبیات

غزل

از

جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

عصر نو کے تغیرات نہ پوچھ — کیا سے کیا ہوگئی حیات نہ پوچھ

شرح ناکامی حیات نہ پوچھ — حاصل عمر بے ثبات نہ پوچھ

راز سربستہ حیات نہ پوچھ — اور کچھ پوچھ بس یہ بات نہ پوچھ

دل پہ گذری جو واردات نہ پوچھ — اپنی نظروں کی کوئی بات نہ پوچھ

ذکر آغاز التفات نہ چھیڑ — حال انجام التفات نہ پوچھ

عشق کو جاں بلب ہی رہنے دے — راز ترک تعلقات نہ پوچھ

کیا بتاؤں سبب تباہی کا — جانتا ہوں مگر یہ بات نہ پوچھ

عشق اور حسن میں ہے کیا رشتہ — یہ ہیں نازک معاملات نہ پوچھ

عظمت دیر و کعبہ بھی تسلیم — لیکن اس آستاں کی بات نہ پوچھ

میرا انجام دیکھ آنکھوں سے — انتہائے غم حیات نہ پوچھ

غم سود و زیاں نہیں مجھ کو — عشق میں کیا ملا یہ بات نہ پوچھ

ہر نفس انقلاب نو در پیش — کیسے گذرے گی یہ حیات نہ پوچھ

تجھکو کیا کیا بتاؤں اے ناصح — ہیں محبت کے یہ نکات نہ پوچھ

مجھ کو کتنے عزیز ہیں جوہر
یہ محبت کے حادثات نہ پوچھ

غزل

از جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی

حاصل ہوا جہاں میں غم جاوداں مجھے — لائی میری حیات کہاں سے کہاں مجھے

منظور کب کسی سے ہو اس کا بیاں مجھے — جو غم گھلا رہا ہو دلی شمع ساں مجھے

آئی نظر حقیقت کون و مکاں مجھے — پہنچا دیا یہ ساغر مے نے کہاں مجھے

پھر بھی متاع عشق نہیں ہے گراں مجھے — دینا پڑے گر اس کے لئے نقد جاں مجھے

بہلائیں کیا بہار کی رنگینیاں مجھے — بھولی نہیں ہے کلفت دور خزاں مجھے

سمجھے نہ کوئی اہل سفر ناتواں مجھے — لیتی چلے گی خود کشش کارواں مجھے

دنیا کی فکر کیا ہے جو ہیں حوصلے بلند — آواز دے رہی ہیں تہ کہکشاں مجھے

انساں کے بجائے نظر آرہی ہیں آج — انسان کے لباس میں پرچھائیاں مجھے

ہے مجھکو ہر تبسم معصوم سلسبیل — اور ہر نگاہ گرم ہے برق تپاں مجھے

کانٹوں کی بھی چبھن تھی گوارا کبھی مگر — ہے برگ گل بھی طبع پہ اب تو گراں مجھے

مطلب ہی کیا ہو باغ سے اب بعد آشیاں — فکر بہار اور نہ خوف خزاں مجھے

ہمدم تسلیوں سے تو بڑھتا ہے اور غم — رہنے دو میرے حال پہ او مہرباں مجھے

تنکے تھے چند وہ بھی اب اپنے نہیں رہے — دھمکا رہی ہیں کوند کے کیا بجلیاں مجھے

مایوسیاں ہیں باعث تسکیں قفس میں اب — ہے فکر باغ اور نہ غم آشیاں مجھے

ہر دم ہے گو شدائد دوزخ کا سامنا — پھر بھی ولی بہشت ہے ہندوستاں مجھے

مطبوعات جدیدہ

شرح آداب المریدین: مترجمہ جناب مولانا شاہ قسیم الدین احمد فردوسی
لمبی تقطیع کاغذ، کتابت، وطباعت اچھی صفحات ۱۹۲، مجلد مع گردپوش
قیمت: صر، پتہ: بیت الشرف، خانقاہ بہار شریف، پٹنہ،

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ نے حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی جو صوفیاے کرام کے عقائد و آداب، محاورات، اصطلاحات، اور دوسرے مسائل تصوف سے مریدین وسالکان طریقت کی واقفیت کے لئے لکھی گئی تھی، فارسی زبان میں شرح لکھی تھی، اب فارسی زبان سے بھی واقفیت رکھنے والے بہت کم لوگ رہ گئے ہیں، اس لئے شاہ قسیم اللہ صاحب نے جو حضرت مخدوم الملک کی تحریروں کے اوشناس ہیں، اور اس سے پہلے بھی ان کی متعدد کتابوں کا اردو ترجمہ کر چکے ہیں، افادۂ عام کے خیال سے اس کتاب کا بھی اردو میں ترجمہ کیا، جو ترجمہ اور اصل عربی متن دونوں پر مشتمل ہے، اس کے شروع میں توحید، کلام الٰہی رؤیت باری، ایمان اور خلافت و ملوکیت اور آخر میں فقر و تصوف کے متعلق صوفیاے کرام کے عقائد و خیالات کا ذکر ہے، آخر کے بعض مباحث میں دکھایا گیا ہے، کہ صوفیا، احکام وتکالیف شریعت کے عدم سقوط، اولیا کی عدم بشریت اور نبوت کی ولایت پر ترجیح

اور سماع کو بعض قیدوں کے ساتھ جائز بتاتے ہیں، کتاب کے مباحث میں بڑا تنوع، اور وسعت ہے، اور وہ تفسیر، حدیث وفقہ، کلام اور تصوف وغیرہ کے بہت سے فوائد ونکات پرمشتمل ہے، فاضل شارح نے جابجا مصنف کے مجمل ومبہم نقطۂ نظر کو قرآن، حدیث، اور صوفیا کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا ہے، اور متن کے غریب و مشکل الفاظ کی بھی تشریح کی ہے، شروع میں لائق مترجم نے ماتن وشارح کے مختصر حالات اور مقدمہ اور سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے دیباچہ تحریر کیا ہے، اگر حواشی میں آیات واحادیث کی تخریج اور اقوالِ صوفیا کے مآخذ بھی تحریر کر دیئے جاتے، تو روایات کی صحت وضعف اور اقوال کے ثبوت و استناد کا بھی اندازہ ہو جاتا، شرح آداب المریدین کے یہ چند ابواب وفصول کا اردو ترجمہ ہے، امید ہے، کہ اہل دل اور عام مسلمان اس کی علمی قدردانی کا ثبوت دیکر اس گنج گرانمایہ کی بقیہ جلدوں کی اشاعت کا سامان بھی کریں گے،

ارمغانِ عرب: مرتبہ جناب عزیز احمد صدیقی تقطیع ۲۰×۲۶ کاغذ، کتابت
طباعت اوسط درجہ صفحات ۹۶، قیمت: صر پتہ مکتبہ ھادیہ ۱۱/۱۸ بی، ون
ایریا، لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹،

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی مشہور ومقبول اردو تصنیف تقویۃ الایمان کی زبان موجودہ زبان کے مقابلہ میں قدیم اور نامانوس تھی، اس لئے عزیز صدیقی صاحب نے اس کی زبان کو سلیس اور عام فہم کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے، آخر میں انھوں نے اپنی ایک زیر ترتیب کتاب ارمغان عجم کا نمونہ دیا ہے، اُن کی یہ دونوں تحریریں سنجیدگی اور توازن سے خالی اور ان کا لہجہ و انداز بیان نہایت درشت اور ناہموار بلکہ پست ہے، نام میں ترمیم کی وجہ لکھی گئی ہے، وہ بھی مرتب کی شدت پسندی کا نتیجہ ہے، حالانکہ کتاب کے اصلی نام

میں اس سے زیادہ جاذبیت اور کشش ہے، اگر کتاب کے خصوصیات اور مصنف کے حالات وکارناموں کا مختصر مرقع بھی پیش کر دیا گیا ہوتا، تو اس کی افادیت میں اور اضافہ ہو جاتا، ان فروگذاشتوں سے قطع نظر تقویۃ الایمان کو آسان اور عام فہم زبان میں شائع کر کے مترجم نے ایک بڑی مفید دینی خدمت انجام دی ہے،

دینی دعوت کے قرآنی اصول وآداب — از جناب مولانا محمد طیب صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۳۲، مجلد مع گرد پوش، قیمت ع۴ پتہ مجلس معارف القرآن، دار العلوم دیوبند،

چند مہینے پہلے دار العلوم دیوبند میں قرآنی حقائق وعلوم کو موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اردو، انگریزی، اور عربی زبانوں میں شائع کرنے کے لئے مجلس معارف القرآن کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس شعبہ کا افتتاح مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی اس کتاب سے کیا گیا ہے، یہ کتاب دینی دعوت کے قرآنی اصول وآداب کی مفصل تشریح اور قرآن مجید کی مشہور آیت دعوت ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ الخ کی مکمل تفسیر ہے، اس میں آیت کے چاروں اہم بنیادی اجزاء یعنی دعوت، داعی، مدعو، اور مدعو الیہ کے مختلف پہلوؤں کی مختلف حیثیتوں سے وضاحت کی گئی ہے، مثلاً دعوت کے اصول، پروگرام قسمیں، عملی صورتیں اس کو موثر بنانے کی تدبیریں، دعوت میں مخاطب کے مزاج وذہنیت کی رعایت، مدعو الیہ کی تعیین کر کے اسلام اور اس کی دعوت کی عالمیت وہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کی غیر ہمہ گیری، داعی کے ذاتی واضافی اوصاف، مدعو کے عموم اور مدعوین کی قسمیں وغیرہ شرح میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت اور اس کا حقیقی مفہوم اور آخر میں اس کے نظام کو مستحکم اور ہمہ گیر کرنے کی ضرورت کی وضاحت کے بعد مبلغین اور اسلامی حکومتوں کے لئے دعوتی

[..]ات پر مشتمل دعوتی پروگرام کا ایک دستور العمل بھی تحریر کیا گیا ہے، مقدمہ میں مولانا نے [..] دعوت کو دفاعی کے بجائے اقدامی ثابت کیا ہے، یہ چیز ہندوستان کے مسلمانوں اور بالخصوص [..]ن کی تبلیغی جماعتوں کے لئے خاص طور پر قابلِ غور ہے، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے [..] مولانا کے نکتہ آفریں قلم نے عجیب عجیب نکتے پیدا کئے ہیں، اور ایک ہی آیت کی دلالت [..]ارت، عبارت، اور اقتضاء النص سے ۲۰ سے زائد اصول ومقاصد مستنبط کئے ہیں، انداز بیان [..]لقیانہ ہونے کے باوجود موثر ودلنشیں ہے،

نور تن:۔ مرتبہ جناب شورش کاشمیری، تقطیع خورد، خوبصورت ٹائپ، صفحات ۱۹۲ مجلد مع گرد پوش، قیمت صر، پتہ مطبوعات چٹان لاہور،

جناب شورش کاشمیری مدیر چٹان کا قلم اشخاص کی مصوری میں بھی کمال رکھتا ہے، [چن]انچہ انھوں نے اس کتاب میں پنجاب کے نو مشہور مرحوم صحافیوں عبد المجید سالک، چراغ حسن [ح]سرت، مہاشہ کرشن، سید حبیب، مرتضیٰ احمد میکش، اظہر امرتسری، حاجی لق لق، ابو صالح اصلاحی [او]ر مجید لاہوری کے سوانحی خاکوں میں ان کی چلتی پھرتی تصویریں کھینچ دی ہیں، اور ان کی [..]شری وادبی دلچسپیوں، صحافتی خدمات، قلمی معرکوں، باہمی آویزشوں، اور دوسرے معمولات [و]مشاغل کو اس ماہرانہ فنکاری کے ساتھ دکھایا ہے کہ ان کی تصویر سامنے آجاتی ہے، اس [..]پ بیتی میں کہیں کہیں آپ بیتی کی جھلک بھی نظر آتی ہے، شورش صاحب ایک پختہ کار صاحب [..]قلم اور نامور صحافی ہیں، ان کی تحریر کی شوخی، طنز وظرافت تشبیہات واستعارات، برجستہ و [ب]یساختہ جملوں نے اس کتاب کو ادبی حیثیت سے بھی دلکش بنا دیا ہے، اور وہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

کفاک علما باللغۃ العربیۃ مرتبہ مولانا عبد الحمید صاحب نعمانی، متوسط تقطیع

کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۹۹، قیمت ۱۲/ پتہ:- مدرسۂ ملت، مالیگاؤں، ضلع ناسک،

مبتدیوں کے لئے عربی کی بہت سی ریڈریں لکھی جا چکی ہیں، یہ نئی ریڈر مولانا عبدالمجید نعمانی کی تالیف ہے، وہ جید عالم ہیں، اور اُن کو درس و تدریس کا بھی پورا تجربہ ہے، اور عربی زبان وادب میں اُن کو پوری دستگاہ حاصل ہے، اس لئے انھوں نے اس میں صرف ونحو کے مبادیات اور عربی کے ضروری قواعد نہایت دلنشیں اور سلیس وسادہ انداز میں مشقی سوالات اور نمونوں کے ساتھ تحریر کئے ہیں، امید ہے مدارس کے علاوہ عام عربی سیکھنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے،

انتخاب رُباعیات مولانا روم — مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی تقطیع خورد، خوبصورت ٹائپ صفحات: ۷۶، پتہ: مولانا نجم الدین اصلاحی، سدھاری - اعظم گڈھ،

مولانا جلال الدین رومی کی سب سے مشہور و مقبول تصنیف مثنوی ہے، مثنوی کے علاوہ دوسرا سرمایہ سخن میں بھی اُن کی یادگاریں ہیں انہیں میں انکی رُباعیات بھی ہیں جس سے کم لوگ واقف ہیں، ۱۳۱۲ھ میں مولانا کی رُباعیات کا ایک مجموعہ استنبول سے شائع ہوا تھا، جو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے پاس تھا، انہی کے ایماء سے مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی نے اس کا انتخاب مرتب کیا تھا جس کو انھوں نے نہایت دیدہ زیب اور خوبصورت ٹائپ میں شائع، اور اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی کے نام معنون کیا ہے، شروع میں مولانا روم کے مختصر حالات بھی درج ہیں، انتخاب خوش مذاقی سے کیا گیا ہے اور ڈیڑھ سو رُباعیات پر مشتمل ہے، مولانا روم کی مثنوی کی طرح انکی رباعیات بھی اسرار و حکم اور عشق و معرفت کا خزینہ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں،

"ض"

جلد ۱۰۱ - ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۷ء - عدد ۶

مضامین